سعدیہ عزیز آفریدی
دیپ جلتا آوارہ
دھوپ ،بادل ، ندی کنارے
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اسے میری محبت سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ میں یعنی ایشم حسن اور وہ یعنی کمیل زرک ہم دونوں کا شروع سے ایک دوسرے کے بارے میں یہی خیال تھا کہ ہم عمر بھر کوشش کریں تو شاید اچھے ضرور بن جائیں لیکن اچھے دوست؟

میرے ابا یعنی حسن کمال ایک کمپنی میں منیجر تھے اور کمیل زرک کے بابا ایک بہت اچھے فوجی تھے وہ آئی ایس پی آر میں میجر کے عہدے پر تھے' لیکن پتا نہیں بچپن سے کیا بات تھی جوان دونوں کو لگتا تھا کہ وہ اچھے

ناولٹ

دوست ہیں!

یہ کمیل کہتا تھا"آج کے دور میں اچھا دوست ہونا کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں" لیکن میں ابا کا بیٹا تھا اس لیے سوچتا رہتا تھا' آخران دونوں کی کیمسٹری میں کہاں فالٹ ہے' جب وہ دوستی جیسی عنقا ترین چیز کے دعوے دار تھے۔

محبت' دوستی' وفا' یہ سب خلل ہے دماغ کا پھر کیمسٹری میں فالٹ ہی ہوا تھا جو برسوں گزرنے کے باوجود بھی آج تک ایک دوسرے کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔

کمیل جسے میں تپانے کے لیے ہمیشہ کیمل کہتا تھا شروع دن سے نک چڑھا واقع ہوا تھا جس دن جب انکل کمیل کو گود میں اٹھائے گھر میں داخل ہوئے اس وقت میں کارپٹ پر بیٹھا ایک ہوائی جہاز کو پکڑے شاید یہ سوچ رہا تھا کہ اس جہاز کے تین پر کیوں نہیں ہیں کہ وہ اچانک آکر میرے کھلونے پر ہی جھپٹ پڑا۔ وہ میرے برخلاف شاید جہاز کی قیمت کا اندازہ کر رہا تھا۔ (مجھے یقین ہے وہ فطرتاً" تاجر ہے) مجھے بظاہر یہ بات بہت بری محسوس ہوئی کہ میں اس کے ہاتھ سے کھلونا چھین لوں آخر کو ابا کا بیٹا تھا اس لیے ہوائی جہاز سے نظر ہٹا کر جیپ کو منہ میں ڈالنے لگا۔

یکدم اماں دوڑی آئیں

"بری بات اچھے بچے کھلونے منہ میں نہیں لیتے۔"

میں نے پلکیں جھپکا جھپکا کر اماں کے اس بیان کو پوری توجہ سے سنا مگر کچھ سمجھ نہیں آیا میں پھر سے اسی شغل میں مصروف تھا کہ اچانک مجھ پر سیدھا حملہ ہوا۔ ہوائی جہاز چھوڑ کر کمیل زرک نے میری جیپ چھین لی تھی اور بس تب سے وہ میری نظر میں اچکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھ سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہم اسکول جانے کے قابل ہوئے تو اس کی ساری چالاکیاں کھل کر مجھ پر کھلتی گئیں کیونکہ وہ اسکول میں بھی میرا بہت ہارڈ ٹارگٹ تھا' بظاہر اتنا میٹھا کہ آپ جان بھی قدموں میں رکھ دیں لیکن اردگرد سے اس کی طرف سے اپنے لیے پھیلائی گئی شہرت سنیں تو آپ کا دل چاہے آپ غوری میزائل ہوتے تو کھٹاک سے کمیل زرک ہی پر جا کر پھٹتے۔ مگر افسوس ایسا نہیں تھا اس لیے میں نے خاموشی سادھ لی۔ دل ہی دل میں' میں اسے گالیاں دیتا رہتا لیکن وہ جس طرح گلے میں بانہیں ڈالے وسل بجاتا میرے ساتھ گھومتا' لوگ

ہماری دوستی پر رشک کیا کرتے ' پھر کہیں گنے چنے اسٹوڈنٹ مل بیٹھتے تو راز کھلنے لگتے۔

"کمیل بتا رہا تھا تم انکل زرک کے ہاں پے انگ گیسٹ ہو۔"

میری زبان میں کھجلی ہوتی میں بھی کہہ دیتا۔

"پے انگ گیسٹ ہم؟ نہیں وہ ہمارا ہے۔" اس کی طرح کا میں بھی جھوٹ بولنا چاہتا مگر ابا کی خونخوار آنکھیں یاد آکر زبان پر تالا لگا دیتیں۔ میں پہلو بچاتا تو پتا چلتا کل زرک انکل کے ہاں ہماری بہت اچھی دعوت تھی کیونکہ آنٹی یعنی میری اماں نے اچھا سا کھانا نہیں پکایا تھا۔ دل میں شعلے اٹھنے لگتے کہ کل ہی تو انکل زرک کے ساتھ اس نے ہماری کھانے کی میز پر دھاوا بولا تھا کیونکہ آنٹی نے بھرے کریلے پکا لیے تھے جو دونوں ہی کو سخت ناپسند تھے۔ ابا خوشی سے نہال ہو گئے تھے۔ ان کے دوست نے ان کے گھر کے دسترخوان کو رونق بخشی تھی اور ان کے دوست کا بیٹا اسکول میں مجھے ملنگ پارٹی کے سوا کوئی درجہ دینے پر تیار نہیں تھا میں اٹھ کر جانے لگا ہی تھا کہ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

ابا کے بیٹے کا دل یعنی میرا دل جو ابا کی طرح کا ذرا جذباتی تھا (ابے نیر ڈائری تم سے کیا پردہ!) اس کی دوستی کے اس لمس سے پگھل گیا میں نے پلٹ کر دیکھا۔

"کیا ہے کیوں روک رہے ہو۔" میرا خیال تھا وہ انکل زرک کی طرح کا کوئی جذباتی ڈائیلاگ جو وہ ابا سے کہتے رہتے تھے بولے گا مگر وہ کمیل زرک تھا' کھٹاک سے بولا۔

"مجھے لگتا ہے تمہیں میری گوہر افشانی پسند نہیں آئی اور غصے میں تم سے کھانا کھایا ہی نہیں جاتا پھر کتنا دل ٹوٹے گا اماں کا' اگر لنچ بکس یوں ہی لے کر جاؤ گے"۔
۔۔۔۔ دماغ پر اس جملے نے ایسی آگ لگائی کہ میں نے لنچ بکس بیگ سے نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا پھر اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

ساری دوپہر معدے میں فاتحہ خوانی ہوتی رہی 'مگر مجال ہے میں نے چہرے پر ایک بھی شکن آنے دی ہو ۔وہ مسلسل مجھے ہی دیکھ رہا تھا جیسے جاننا چاہتا ہو مجھ میں صبر کا مادہ کتنا ہے اور یہاں ابا کی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دی جانے والی لیکچر کلاس نے بہت ساتھ دیا۔

"انسان اندر سے کتنا دکھی ہو لیکن باہر سے کبھی اسے ٹوٹا بکھرا ہوا نہیں دکھائی دینا چاہیے تمہیں معلوم ہے کچے مکان کی دیوار گرے تو لوگ راستہ بنا لیتے ہیں مکان ہو' دل ہو' سب کا احترام لازمی ہے۔۔۔۔" میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ ان کی پی ایچ ڈی گفتگو کے سامنے ماٹھا رہ جاتا' لیکن لگتا تھا کچھ بات ہے ضرور ان کی بات میں' جو چپکے سے دل کا کواڑ کھول کر اندر اتر گئی ہے وہ بات کیا ہے' پھر اس کی کبھی پروا نہیں کی۔

☼ ☼ ☼

جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو پہلی بار مجھے پتا چلا میرے اندر کا اعتماد صرف ابا کے انہی لیکچرز کا نتیجہ ہے میں خود فارم لایا تھا اپنی مرضی کے مضامین لکھے تھے 'مگر جانے قسمت کی کہاں غلطی تھی کہ سخت نفرت کے باوجود تمام عمر نہ پڑھنے کی قسم کے اٹھائے جانے پر بھی ایک مضمون اضافی طور پر شامل دکھائی دیا۔ جی ہاں یہ کمیل زرک خان تھا۔

"تم اکیلے پڑھ رہے تھے اس لیے میں نے سوچا تمہاری کمپنی کے لیے کسی کو تو ہونا چاہیے' ادھر ادھر کی بھاگ دوڑ تم سے کہاں ہو گی' اعتماد کی کچھ کمی ہے نا تم میں۔۔۔۔"

پتا نہیں اس نے سوال کیا تھا یا اطلاع دی تھی 'مگر میں اتنا بھنا گیا تھا کہ اگر میرے سال ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں کسی اور یونیورسٹی میں مائیگریٹ کر جاتا۔ وہ میری ہر مجبوری سے واقف تھا اس لیے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بن کر میری بصارت سے ٹکراتا رہا۔

"تم مجھ سے جتنی نفرت کرتے ہو میرا دل اور تمہاری طرف کھنچتا ہے۔"

یونیورسٹی کے پہلے دن اس نے میرے ساتھ بس سے اترتے میری وہ کتابیں جو سیٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے اس نے میرے کھڑے ہونے کی وجہ سے چھین کر اپنے پاس رکھ لی تھیں دیتے ہوئے پہلا جملہ ادا کیا تو میں گھور کے اسے دیکھ بھی نہ سکا۔ اب کیا بتاؤں اس

کی آنکھوں کی معصومیت ایسی ہوتی ہے کہ دل ہی نہیں چاہتا اسے جھڑکنے کو' سو لہجہ وہی رکھا مگر لفظوں میں ترمیم کر کے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے یونیورسٹی ایک سہی مگر دوستی کی لسٹ میں تم کہیں نہیں ہو۔ مجھے نئے دوست بنانے ہیں نئی دنیا میں ڈسکور کرنی ہیں سو پرانے تعلق کو میں آج ہی مٹاتا ہوں۔"

"مگر سنا ہے محبت مٹانے کی چیز نہیں۔" اس نے اک ادا سے دیکھا۔ دل میں ابا کی دوستی والی ہیڈک نے اسپارک کیا مگر میں چنگیز خان بن گیا ان جذبوں کو قتل کر کے پوری توانائی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"ہاں ٹھیک سنا ہے محبت مٹانے کی چیز نہیں لیکن دھیان دو۔ بات محبت کی ہو رہی ہے تمہاری اور میری جیلسی کی نہیں۔ ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے اور مجھے کبھی یہ مزا چکھنا بھی نہیں ہے' تمہاری دوستی تمہارے بابا کی طرح حریص ہی ہو گی۔"

میں نے قطعی سفاکی دکھا دی تھی کہ شاید اسی سے میری جان چھوٹ جائے گی مگر تیسرے پریڈ تک مجھے لگا 'نمک مرچ لگا کر ہر بات آگے کرنے والے کمیل زرک نے یہ بات انکل سے اور انکل نے ابا سے کر دی تو میں تو لامحالہ کارگل کے محاذ کی طرح بن جاؤں گا جہاں فوج اتارو تو مرو واپس بلاؤ تو مرو۔

☼ ☼ ☼

دوپہر تک سچویشن ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

آج اماں نے خاص طور پر آلو کے پراٹھے بنا کر دیے تھے 'مگر کھانے کو کس کم بخت کا دل کرتا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا میرے بلیک وارنٹ جاری ہو چکے ہیں اور آخری ملاقات میں کوئی بھی نہیں ہے۔ جو مجھ سے ملنے کی ہوک میں مبتلا ہو۔

تنہا کسمپرسی میں مرتے ہوئے خود کو کتنی مرتبہ ری بیک سین میں دیکھا' تب میں بے ساختہ خود اسے ڈھونڈتا ہوا گارڈن میں جا پہنچا۔

"کمیل۔۔۔۔ تمہیں آلو کے پراٹھے بہت پسند ہیں نا۔۔۔۔" میں نے بچوں کی طرح لالچ دیا اور اس نے اپنا لنچ بکس میرے سامنے کر دیا وہ مجھ سے پہلے ہی آلو کے پراٹھے ہڑپ کرنے میں مصروف تھا۔

"تمہاری مما کو تو آلو کے پراٹھے پکانے سے چڑ ہے پھر انہوں نے اتنی محنت کیسے کر لی۔"

اس نے ایک اور لقمہ لے کر حلق سے اتارا پھر لاپروائی سے بولا۔

"میں نے کب کہا ہے یہ محنت میری مما نے کی ہے میری مما کو ایسے وکھرے ٹائپ کام کہاں یاد رہتے ہیں اور پھر ان کے پاس تمہاری اماں کی طرح فرصت بھی نہیں ہے' وہ ایک پڑھی لکھی خاتون ہیں' این جی اوز کا کام بناتی ہیں پھر انہیں آلو بھرے پراٹھے پکانے کی کیا ضرورت ہے کام تو صرف تمہاری مما کر سکتی ہیں ان کے پاس کچن سے اچھی کوئی مصروفیت ہے ہی کب ۔۔۔۔"

مجھے لگا اس نے میرے اندر چنگاری چھوڑ کر آگ

لگادی ہو' میرا دل چاہا میں باقی کا سارا پراٹھا ایک ہی دفعہ میں اس کے منہ میں ایسے ٹھونس دوں کہ اس کی یہ چلتی زبان اور سوچ سب کی جان ایک دفعہ ہی میں نکل جائے مگر مجھے برداشت کرنا تھا کیونکہ میں یہاں اپنی غلطی ٹھیک کرنے آیا تھا بظاہر اس نے بھی میری اماں کے بارے میں کچھ اچھے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن میں جانتا تھا وہ اتنا چالاک ہے کہ بہت آسانی سے سارا بیک گراؤنڈ اپنے حق میں کر کے مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرانے میں لمحہ نہیں لگائے گا اور بدقسمتی سے وہ اپنے پاپا کی طرف سے وراثت میں ملنے والی آئی ایس پی آر کی میٹھی زبان کو استعمال کرنے میں اتنا ماہر تھا کبھی ناکام نہیں ہوا تھا' ہمیشہ غلطی وہ کرتا اور ڈانٹ مجھے کھانی پڑتی اور جو کوشش میں اس کی غلطی کو سدھارنے کے لیے کیا کرتا تھا وہ ان ساری کاوشوں کو اپنے نام سے کر کے مجھے اورجغد ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کرتا اور کبھی ناکام نہیں رہتا تھا کیونکہ میرے ابا اور اماں کو مجھ سے زیادہ اس سے بہت اچھی قسم کی امیدیں تھیں۔ ان دونوں کا خیال تھا اگر کمیل زرک میرے ساتھ نہ ہو تو میں ایک قدم نہیں چل سکتا۔ کمیل زرک کی ذہانت تعلیمی سرگرمیوں میں دلچسپی سب میرے لیے انتہائی معاون و مددگار ہیں۔

میں کھڑا تھا اور خود کو انتہائی احمق محسوس کر رہا تھا' جب اس نے میرا لنچ بکس میرے ہاتھ سے چھین لینے کے سے انداز میں لے کر بہت ادا سے کہا۔

''اگر آنٹی نے اتنے اچھے آلو بھرے پراٹھے نہ بنائے ہوتے تو شاید میں آج کی تمہاری گستاخی بھی معاف نہیں کرتا۔''

الٹا احسان! وہ واقعی تاجر تھا' کبھی نقصان کا سودا نہیں کرتا تھا نقصان سے فائدہ نکال لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے شکر کا سانس لیا تھا یہ نہیں تھا میں اس سے ڈرتا تھا' بلکہ بات صرف اتنی تھی کہ ابا' اماں کے سامنے اس کی ٹور بنی ہوئی تھی ہر اچھا کام کمیل زرک کر سکتا ہے اور ہر فضیحتے والا کام میں' میرے قدم چور بن جاتے تھے' حالانکہ غلطی کی دیوار ہمیشہ وہ ہی کھڑی کرتا تھا اس لیے اتنے آرام سے جان چھٹتی دیکھ کر میں نے گہرا طویل سانس لیا۔

شام کو جب ہیلتھ کلب سے میں واپس آیا تو میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

وہ اماں کے سامنے مسکین شکل بنائے اماں کی چائے کے ساتھ دیے گئے ریفرشمنٹ کو کھانے سے انکار کر رہا تھا دماغ کی گھنٹی اچانک ہی بج اٹھی۔ تھکن جو تھی وہ جسم میں چستی بن گئی۔ میں تیزی سے دوڑنے کے سے انداز میں کچن میں داخل ہوا تھا۔

''ہائے ہیرو! جان شان بن رہی ہے۔'' وہ مسکرایا مگر ایسے جیسے دھمکی دے رہا ہو۔

''بتا دوں!'' میری جان آنکھوں میں کھنچ آئی' جانتا جو تھا ابا کی تو نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اماں اکیلے ہی اس تھرڈ لے پن پر مجھے برابر کر کے رکھ دیں گی ''کھلا کر گانا'' انہیں نفرت تھی اس عادت سے' یعنی وہ مجھ سے بھی نفرت کر سکتی تھیں اور میں' میرے پاس دائم بھائی' اماں اور ابا کے سوا تھا ہی کیا اگر یہ چھن جاتے تو؟

دماغ نے سوال کیا اور میں نے تیزی سے سینڈوچ کی طرف ہاتھ بڑھایا اماں نے میری حرکت دیکھی تو میرے بڑھتے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا۔

''تدیدے بچے! ہاتھ دھوئے بغیر تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں کچھ کھانے دوں گی۔ چلو ہاتھ دھو کر آؤ میں تب تک چائے دم دے دوں۔'' اماں کا جملہ حوصلہ افزا تھا' یعنی اس فتنے نے ابھی کچھ نہیں اگلا تھا۔ میں نے بیسن میں ہاتھ دھوئے تھے اور پھر فوراً پلیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ مبادا حلق میں کچھ نہ پہنچنے کے غم میں وہ کچھ اندر کا باہر نہ کر دے۔

''کمیل کھاؤ نا یار! تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے کیوں بیٹھے ہو.....'' میں نے سینڈوچ اٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا اور وہ بدتمیز لڑکا فوراً ''بھاؤ کھانے لگا۔

''نہیں یار! روز شام کی چائے تمہارے گھر آ کر پینا کچھ اچھا نہیں لگتا ذمہ دار لوگ ایسے نہیں ہوتے' میں پاپا سے کہہ کر ہاؤس میڈ رکھوانے کی سوچ رہا ہوں ....'' اماں جو سالن میں چمچہ چلا رہی تھیں۔ کھٹاک سے اس کے قریب چلی آئیں پھر ملامت سے بولیں۔

''کیوں میرے بیٹے تمہیں ایسا کیوں لگا' کیا ماں کے گھر اولاد کھا پی نہیں سکتی' کسی نے کچھ کہہ تو نہیں دیا۔''

''بس اماں اگر کسی نے کچھ کہہ دیا ہے تو بھی غلط تو نہیں' پاپا کا اور میرا یوں آپ لوگوں کو زیر بار کرنا اچھا بھی کب ہے۔''

''کمیل سینڈوچ کھاؤ یار.....'' میں نے اگلے جملے سے پہلے اس کے منہ میں سینڈوچ کا ٹکڑا چھری سے کاٹ کر ٹھونس دیا' جانتا تھا وہ لقمہ سینڈوچ کا نہیں لے گا' میری تمام عمر کی فرماں بردار بیٹے ہونے کی کریم کھا لے گا۔ اسکول میں' گھر میں ہر جگہ میں فرماں بردار بیٹوں کی لسٹ میں شامل بچوں کی کریم کا ہیڈ تھا اور یہ لڑکا... مجھے آگ لگنے لگی' مگر وہ مسکین شکل بنائے پھر سے مجھے دیکھنے لگا جیسے میں اس کی پیٹ پوجا میں اس کی اور مدد کروں گا۔

میرے تیور دیکھ کر اس نے کاؤنٹر سے اترنے کا اشارہ آنکھوں ہی آنکھوں میں دیا اور میں اماں کی پشت دیکھ کر اسے گھورتے ہوئے اسے باقی کا سینڈوچ کھلانے لگا پھر اماں پلٹیں تو یکدم اس نے پینترا بدلا اور اپنے منہ میں جانے والے اگلے لقمے کو میرے ہاتھ سے لے کر محبت سے بولا۔

''اماں یہ اپنا ایشم بھی نا بہت کیئرنگ ہے دوسروں کو کھلانے کے چکر میں اپنا تو خیال رکھتا ہی نہیں ہے۔'' اماں کی آنکھوں میں ممتا کا سمندر امڈ آیا۔

کیا میرے لیے..... جی نہیں یہ ساری ممتا کمیل زرک کے لیے تھی وہ اس کی بلائیں لیتے نہیں تھک رہی تھیں' انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی پھر مجھے جتانے کو بولیں۔

''دیکھو سیکھو کچھ کمیل سے' کتنا اچھا بچہ ہے صرف اپنی پروا نہیں کرتا سب کا خیال رہتا ہے ایک تم ہو اپنی دنیا میں مگن رہتے ہو.....'' میں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور بس میرا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ کمیل زرک کی آنکھیں ان میں اتنی نمی..... ناممکن

بات تھی مگر یہ منظر میں نے دیکھا تھا اور وہ تھا کہ اس نے اس کیفیت کو طاری ہونے نہیں دیا تھا فوراً" گرم چائے حلق میں انڈیل کر کچن کاؤنٹر سے اتر گیا۔

"وہ کل بہت اہم ٹیسٹ ہے اماں پھر آؤں گا......"

کہاں میں دعائیں کر رہا تھا وہ کسی طرح یہاں سے چلا جائے کہاں میں اس کے جانے پر حیرت زدہ تھا۔

"کیا ہو گیا تمہیں ابھی تو ہاتھ دھوئے بغیر کھانے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اب کہاں کھڑے چائے ٹھنڈی کرنے پر تلے ہو۔" اماں نے کیتلی سے تازہ چائے انڈیلنے کی کوشش کی مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔

"مجھے ٹھنڈی چائے پسند ہے آپ کا کمیل نہیں ہوں۔" پتا نہیں مجھے اچانک کیا ہوا تھا......

مجھے خود پر۔۔ ہی حیرت ہونے لگی اور اماں ان کی حیرت مجھ سے ہیں بڑھ کر تھی۔

"کیا ہوا بیٹے! کیا تمہیں لگتا ہے میں کمیل کے معاملے میں تمہارے ساتھ ناانصافی کرتی ہوں۔" اماں پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن جملوں کے اندر کا جذبہ فوراً" ان پر منکشف ہو جاتا تھا۔

شاید ماں دنیا میں وہ واحد ہستی ہے جو ولی نہیں ہوتی مگر اس کے دل پر پھر بھی الہام اترتے ہیں محبت کی کیمسٹری ایک ماں سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا جس نے محبت تخلیق کی ایک وہ اس سے باخبر ہے یا دنیا میں ماں کا دل جو اس رب کی اس محبت کا راز دان۔ مجھے اماں کی نظر پر پیار آنے لگا مگر اماں کی نظر مجھ پر ہی ٹکی ہوئی تھی۔

سوال ان کی خاموشی میں اب بھی سانس لے رہا تھا تب ہی میں نے ان کے گرد بازو حمائل کر دیے۔

"مجھے اللہ کی تقسیم کی طرح آپ کی تقسیم پر بھی کبھی اعتراض نہیں ہوتا اماں...... جس کے حصے میں جتنا لکھا ہے اتنا ہی ملتا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے، میں جانتا ہوں آپ کے دل میں میری جو جگہ ہے وہ دائم بھائی نہیں لے سکتے جو جگہ دائم بھائی کی جگہ ہے وہ میں نہیں لے سکتا اور جو جگہ کمیل رکھتا ہے، وہ جگہ ہم دونوں نہیں شیئر کر سکتے۔"

اماں نے آسودگی سے میرے گال کو چھوا اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئیں اور میں ان کی پشت دیکھتا رہا۔ واقعی ماں کا دل آنگن کی طرح ہے جہاں ساری اولادیں ایک ساتھ کھیلتی رہیں تو ہی ماں کی آنکھ مسکراتی رہتی ہے۔ سارے بچے ایک ماں کے لیے موسم کی طرح ہیں ہر موسم کی الگ پہچان الگ طلب ہے کوئی موسم کسی دوسرے موسم کی جگہ نہیں لے سکتا۔

میں کچن سے باہر آ گیا۔ کل واقعی ہمارا ایجوکیشن کا ٹیسٹ تھا اور میں شروع سے اس مضمون میں کچھ کمزور تھا۔ وگرنہ ساری کلاس کو یہ مضمون حلوے کی طرح محسوس ہوا کرتا۔ میں نے اسٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر کتابیں کھولی ہی تھیں کہ اچانک کمرے میں بیڈ کے قریب ۔۔ تپائی پر رکھا فون بج اٹھا۔

"یہ یقیناً" زوار ہو گا۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا کیوں کہ اس نے کالج ہی میں سب دوستوں کو کافی کی آفر کی تھی سب تیار تھے سوائے میرے، وجہ! وہی اماں کے سامنے بیبا بچہ بنا رہنے کی خو۔

میں نے ٹیلی فون بجنے دیا۔ اماں کمرے میں داخل ہوئیں، ان کے ہاتھ میں گرم چائے کا ایک کپ تھا۔ انہوں نے آتے ہی کپ میرے ہاتھ میں تھمایا اور مسکرا کر بولیں۔

"تمہاری چائے ٹھنڈی ہو کر برف ہو گئی تھی، وہ میں نے پی لی، تمہارے لیے نئی چائے بنائی ہے۔ مگر دیکھو اسے برف مت کر کے پینا۔" میں نہال ہو گیا اماں کا لہجہ سن کر میں گنگناتا ہوا اٹھا اس لمحے میں کسی کی بھی بکواس سن سکتا تھا، مگر جس کو سننے کی سزا ملی۔ وہ قطعی ناانصافی تھی۔

"تم...... کیا ہے، ہر وقت گھر میں دھرے رہتے ہو پھر بمشکل میری تم سے جان چھوٹتی ہے تو فون کر کے اپنی آواز سنا کر موڈ خراب کر دیتے ہو۔"

دوسری طرف میرا خیال تھا اسے جل کر کباب ہو جانا چاہیے تھا مگر وہاں سے تو قہقہہ پھوٹ رہا تھا جیسے نائن الیون کے بعد اسے امریکہ کا ویزا مل گیا ہو۔

"کیا بات ہے اس طرح ہنسنے کی کیا ضرورت ہے ......" میں چڑانے والا تھا مگر چڑ گیا تھا۔ اس نے میری بڑبڑاہٹ سنی تو فوراً" بولا۔

"میں نے تو صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ مجھ سے بنا کر رکھا کرو جب جب مجھ سے اڑنے کی کوشش کرو گے اسی وقت میں تمہیں زمین دکھا دوں گا۔ ہونہہ بڑا آیا تھا اپنے گھر کھانا کھانے کا طعنہ دینے والا۔ دیکھا تیرے گھر میں بیٹھ کر تیرے ہی ہاتھ سے سینڈوچ کھایا اور ایشم حسن کچھ نہیں کر سکا ہونہہ!"

لمبی ہونہہ کر کے اس نے ریسیور بھی رکھ دیا مگر میرے اندر کی جلن...... میرا دل چاہ رہا تھا میں ابھی اس کے گھر کی باڑھ پھلانگوں اور فوراً" اس سے دو دو ہاتھ کر کے آ جاؤں مگر برا ہو ابا کی اچھائی کا۔ میں دل مسوس کر رہ گیا اس کے سوا کچھ نہیں کر سکا۔

پھر ہمارے ٹیسٹ بھی ہو گئے سمسٹر کا رزلٹ بھی آ گیا مجھے اپنے اچھے نمبروں سے پاس ہونے کی بھی کوئی خوشی نہیں ہوئی، کیونکہ اماں اور ابا دونوں زرک انکل کے ساتھ مل کر اس کے دو پیپرز میں رہ جانے پر اس کی ہمت بڑھا رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوتا گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں۔" انکل زرک نے کھسیا کے بالکل پھٹا ہوا قول سنایا اور مجھے پتنگے لگ گئے۔ آخر کوئی اس سے پوچھتا کیوں نہیں ہے، ہر روز کالج اٹینڈ کرنے کے باوجود اتنا خراب رزلٹ کیوں؟

ویسے میں یہ تو جانتا ہی تھا کہ ایسے رزلٹ کے لیے کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی اس لیے اس کے پاس کوئی قابل قدر قسم کی ایکٹویٹی نہیں برآمد ہوگی مگر پھر بھی دل چاہتا تھا۔ میں سب کے سامنے یہ سوال کروں اور پھر جب وہ جواب نہ دے سکے تو میں بتاؤں کہ وہ یونیورسٹی سے کلاسیں بنک کر کے کہاں کہاں گھومتا رہا ہے۔ موٹر سائیکل، سینما گھر ساتھ ہی ساتھ اسموکنگ بھی شروع کر کے، جو اس نے اپنی شخصیت میں چار چاند لگا لیے تھے وہ تعریف کے قابل تھے، مگر مجھ سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا، سوائے۔

"اچھی بات ہے اچھے بچے ایسے ہی پڑھتے ہیں۔" انکل زرک نے حوصلہ افزائی میں کہا اور میں اس جملے کا سرا پکڑ کر بیٹھ گیا۔ زبان میں کھجلی ہوئی کہ پوچھوں۔ کمیل کا رزلٹ دیکھ کر ہم اسے گندا بچہ کہہ سکتے ہیں...... مگر برا ہوا انکل زرک کی آنکھوں کے اندر امڈتی محبت کا میرے سوال نے میرے اندر ہی دم توڑ دیا پھر میں ٹیرس میں کھڑا کافی پی رہا تھا جب وہ اچانک میری پشت پر آ کر بولا۔

"اگر میں بھی پاس ہو جاتا تو تمہاری اور میری ویلیو ایک جیسی ہو جاتی ایک مسکراہٹ تمہاری جانب اچھالی جاتی ایک میری جانب، مگر دیکھ لو میرے رزلٹ سے سب کی توجہ صرف مجھ پر آ کر رک گئی تم آؤٹ ہو گئے ہر منظر سے آؤٹ۔"

مجھے حیرت ہونے لگی آخر یہ کس قسم کا انسان تھا ایک توجہ حاصل کرنے کے لیے اپنے مستقبل سے بھی کھیل سکتا تھا۔

"تم چاہتے ہو میں ہر منظر سے فیڈ آؤٹ ہو جاؤں، میں کہیں چلا جاؤں۔" میں نے مڑ کر حیرت انگیز کمال سنجیدگی سے سوال کیا اور وہ میرے اس بدلے ہوئے ردعمل پر شاکڈ رہ گیا۔ اسے لگتا تھا میں پھر سے ہمیشہ کی طرح اس انکشاف پر چیخنے لگوں گا، لیکن میں نے اس کی ذات پر نئی طرح سے ہوم ورک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لیے انداز بدل کر دیکھا اور واقعی وہ میرے اندر کے بدلے تیوروں سے مایوس ہو گیا، لگتا تھا غبارے کی ساری ہوا کسی پن سے نکال دی گئی ہو۔ وہ اب منظر سے بھاگنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی جیسے میری ٹھیک رگ پر ہاتھ رکھنے پر گمان و یقین کی کیفیت ہو اور میں اس کمزور لمحے کو گنوانا نہیں چاہتا تھا سو اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے پھر سے بولا۔

"تم نے بتایا نہیں کیا تم واقعی چاہتے ہو میں ہر منظر سے غائب ہو جاؤں۔"

"فضول بکواس کرنے سے بہتر ہے میرے راستے

میں آنے کی کوشش مت کیا کرو، تمہیں پتا ہے میں کتنا برا انسان ہوں۔" مجھے ہنسی آنے لگی وہ "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کی تفسیر بن رہا تھا۔ پھر میں کسی اور بات کی کمند ڈالنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے میرے ہاتھ سے کافی لے لی۔

"زیادہ کافی بچوں کی صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتی' جب دیکھو اپنے آپ کو ناولز کا ہیرو ہی سمجھتے رہتے ہو۔"

"ہیرو اور کافی ـــــ" مجھے اس کے تجزیے پر حیرت ہوئی اور تنک کر بولا۔

"خواتین کے ناول پڑھو جب تک ہیرو کافی حلق سے نہیں اتار لیتا ہیرو ہی نہیں کہلاتا باقی کوئی کوالٹی نہ ہو بس کافی ہو اور بہت سی ہو کے مقولے پر عمل جاری ہارڈ اینڈ اسٹرونگ ود آوٹ شوگر' یہ دل جلے ہیرو کا سمبل ہے۔ ابھی تم کیونکہ صرف ہیرو ہو اس لیے۔" اس نے کپ خالی کر کے میری طرف بڑھایا۔ اور یہ جا وہ جا۔

میں اس کی پشت کو گھورتا رہ گیا' پتا نہیں میں اپنے جذبات کا اس پر ٹھیک طرح سے اظہار کیوں نہیں کر پاتا تھا۔ میں خالی کپ لے کر نیچے آگیا اور حیرت انگیز طور پر اماں بھاپ اڑاتا کپ میرے سامنے رکھ کر چلی گئیں۔

میں کپ لے کر اماں کے پاس کچن میں چلا آیا۔

"آپ کو کیسے پتا یہاں حلق ابھی تک سوکھا ہے۔"

اماں نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر ممتا سے بولیں۔

"سیدھی سی بات ہے بچپن سے تم دونوں کی عادتوں کا تجزیہ کرتی رہتی ہوں پھر یہ کیسے ممکن ہے میں یہ جان سکوں کہ کمیل نے ہمیشہ کی طرح تم سے کافی چھین کر پی لی ہو گی اور تم ہمیشہ کی طرح اس کا منہ دیکھتے رہ گئے ہو گے۔"

مجھے لگا اماں میرے اندر کسی کمزوری کو مارک کر رہی ہیں سو فوراً "جتانے" کو بولا۔

"آپ مانتی ہیں نا یہ بات کہ وہ ایک نمبر کا بدلحاظ لڑکا ہے دوسروں سے چھین کر کھانے میں اسے پتا نہیں کیا مزا ملتا ہے۔"

اماں سالن میں چمچہ چلاتے چلاتے یکدم پلٹ کر مجھے دیکھنے لگیں پھر جیسے میرے اندر کا سفر انہوں نے ایک سیکنڈ میں طے کر لیا اور مسکرا کر بولیں۔

"تم غلط سمجھے ہو میں تمہیں اس کمزوری پر الزام تو نہیں دے رہی بلکہ میں تو تمہاری اس محبت پر دل سے خوش ہوں۔" چلتے چلتے انہوں نے آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر اسی لہجے میں بولیں۔

"وہ اکیلا بچہ ہے اسے ساتھ رہنے بسنے کی حسرت نے ایسا کر دیا ہے' وہ مکمل محبت سے جان بھی نہیں چھڑا سکا ہے اور قطعی محبت کو مانتا بھی نہیں ہے دراصل وہ تم میں دوست بھائی اور ایک اچھے رازداں کو ڈھونڈتا ہے اور تم اس کے رویے کی بھول بھلیوں میں ایسا گم ہوتے ہو' اسے ڈسکور نہیں کر پاتے۔ مسئلہ یہ ہے تم میری نظر سے اسے نہیں دیکھ پاتے۔"

ماں کی نظر جو سب اچھا ہے کا دوسرا نام ہے میں کوشش کے باوجود بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا لیکن بہرحال ایک چنگاری چھوڑ دی تھی اماں نے اسے دریافت کرنے کی۔ میں خاموشی سے اسے کھوجنے لگا تھا۔ وہ مجھے ہمیشہ اپنے گھر سے دور رکھتا تھا اس کا گھر آرمی آفیسرز کالونی میں تھا' لیکن اس کے بابا گارڈز کا کھڑاک پھیلائے بغیر جب اپنی جیپ ہمارے گھر کے سامنے روکتے تو سارے ٹاؤن میں ابا کی ٹور بن جاتی' جس کا انہیں زیادہ شوق نہیں تھا انہیں آپ نئے زمانے کا درویش کہہ سکتے ہیں مگر مجھے ابا کی درویش صفت دوستی کے پردے سے برآمد ہونے اور ساری عمر زندگی کو ہراساں کرنے والی مخلوق کمیل زرک کا پتا لگانا تھا اور میں جب کوئی بات ٹھان لیتا تھا تو کر گزرتا تھا' یہی وجہ تھی کہ مجھے تین دن لگے اس کے معاملات کی جانچ کرنے میں' میں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی' وہ گھر میں کب ہوتا ہے بلکہ یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ گھر سے کب جاتا ہے اور حیرت انگیز انکشاف ہوا تھا کہ وہ گھر آتا ہی کب تھا۔ بمشکل تین یا چار بجے آخر وہ اس سارے وقت میں کیا کرتا تھا۔ میں نے اس

طرف سے دھیان ہٹا دیا اور اس کی غیر موجودگی میں انکل کے ہوتے ہوئے گھر میں چھاپا مارا۔ میں کچھ نوٹس لینے کے بہانے سے گیا تھا مگر انکل کی ذہین آنکھیں؟

انہیں اپنے بیٹے کی قابلیت کماحقہ معلوم تھی سو ان میں شکوک سر سرانے لگے تھے' تب مجھے پتا چلا میں نے غلط پانسا پھینک دیا ہے اتنی موٹی بات ذہن سے کیونکر نکلی میں نے گلا کھنکھارا پھر پشیمانی سے بولا۔

"دراصل انکل یہ نوٹس میرے تھے میں نے کمیل کو کاپی کرنے کے لیے دیے تھے مگر مجھے لگتا ہے اسے اس کام کی فرصت نہیں ملی' آج کل میں ہمارا ایک ٹیسٹ ہے اس لیے میں نے سوچا نوٹس بھی لے لوں اور خود ہی انہیں فوٹو اسٹیٹ بھی کروا کر کمیل کو دے دوں ـــــ لیکن پلیز آپ اسے میری آمد اور میری کاوش کا مت بتائیے گا' وہ ذرا معذرت کے ساتھ انکل کھرا ہے اس کے سامنے تو نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جائے جیسی بات ہے۔" انکل نے مسکرا کر اس کے کمرے کی چابی میری طرف بڑھائی پھر شرارت سے مسکرا کر بولے۔

"ذرا دھیان سے جانا اس کے کمرے میں دراصل آج تمہاری آنٹی گھر میں ہیں اور تم جانتے ہو غصے میں، مزاج میں وہ کمیل سے کم نہیں ہیں ـــــ" میں ہنستا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

پھر نوٹس مجھے ٹیبل پر ہی مل گئے تھے۔ ان نوٹس کی بھی مزے دار کہانی تھی دراصل لائبریری جانا کتابیں کلیکٹ کرنا اور پھر ان میں سے اپنے مطلب کا مواد اکٹھا کرنا یہ کمیل جیسے متلون مزاج بندے کا کام نہیں تھا' وہ ایسے ہر کام کے لیے مجھے فورس کرنے لگتا تھا پھر جب میں کام مکمل کر چکتا تو وہ کسی بھی وقت اچانک میرے ہاتھ سے نوٹس کی فائل اچک لیتا۔

"تمہیں اس کی کیا ضرورت تم نے تو اسے مکمل کیا ہے اور سر اعجاز کہہ رہے تھے تمہارا دماغ کمپیوٹر ہے ایک بٹن دبایا اور سارا ڈیٹا فیڈ ہو گیا تم ایک دن میں بھی کمال کر سکتے ہو اس لیے مجھے رٹا مارنے دو۔" اس کا مزاج ہمیشہ سے ایسا ہی تھا' لیکن اس بار بہت حیرت انگیز بات کی تھی میں نے۔ نوٹس خود تیار کر کے اس کی گود میں ڈال دیے تھے اور وہ آئس کریم کھاتے کھاتے بھونچکا رہ گیا تھا۔

"یہ اتنی عنایت کہیں دوستی کا ڈرامہ تو نہیں ہے نا۔"

"نہیں میں کوئی درد سر نہیں پالنا چاہتا تم جیسا دوست بنانے سے بہتر ہے انسان کسی کنویں میں چھلانگ لگا دے۔ ویسے ٹائم پیریڈ بہت شارٹ ہے اس لیے میں نے سوچا تم اسے فوٹو اسٹیٹ کروا لو میں پھر اکٹھا ہی یاد کر لوں گا۔"

اور آج میں گراؤنڈ بنا کر اس کی غیر موجودگی میں گھر میں آگیا تھا سو نوٹس کی فائل اٹھا کر میں نے ادھر ادھر اس کی "گواہ" کو ڈھونڈا تھا۔ بس اچانک ہی مجھ پر کھلا تھا کہ وہ دنیا جہاں کا نکما لڑکا ڈائری لکھنے جیسی خرافات میں مبتلا تھا۔ یہ کوئی ایک ہفتے پہلے کی بات تھی جب انکل نے اس کی ڈائری کی اور شاعری کی بات کی۔ مجھے اور اماں کو اچنبھا ہوا۔

"وہ شاعری کر سکتا ہے؟" لیکن جب میں نے اماں سے ہم خیال ہونے کے دھوکے میں یہ نکتہ ڈسکس کیا تو انہوں نے ممتا سے کہا مگر دکھ رچا ہوا تھا۔

"شاعری کمیل جیسے لوگ ہی کر سکتے ہیں تمہاری طرح دو جمع چار کرنے والوں کے بس کا کام نہیں۔"

میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا مگر اس خیال سے ایک اور خیال آیا جیسے یہ حیرت انگیز خبر تھی کیا پتا وہ ڈائری بھی لکھتا ہو اور مجھ پر جو آج کل اس کو دریافت کرنے کا بھوت سوار تھا اس خیال کو اس سے بہت تقویت ملی تھی۔ میں نے اس کی رائٹنگ ٹیبل اور درازوں کی اچھی طرح تلاشی لی تھی شاعری کی ڈائری تو دریافت ہو گئی تھی لیکن ڈائری لکھنے کی عادت میں دروازہ لاک کرنا نہیں بھولا تھا سو اس کی الماری کو بھی باآسانی کھنگال سکتا تھا اور آج اس تلاشی کے وقت مجھے اپنی ماں پر بہت پیار آیا تھا وجہ؟ ـــــ وجہ اماں کی نظم و ضبط کی عادت تھی جو زبردستی انہوں نے بھی میری تربیت

میں شامل کردی تھی جن دنوں اماں مجھے اپنے جوتے' موزوں اور کپڑوں کو ترتیب سے رکھنے کا سبق پڑھا رہی تھیں ان دنوں میرا یہ سب سے بور زمانہ تھا لیکن اس لمحے جب میں اتنی باریک بینی سے تلاشی کے باوجود ہر چیز کو ترتیب سے رکھتا جارہا تھا تو مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ میں تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود ان کی عادتیں اپنا تا چلا گیا تھا۔

"یہ مائیں بھی نا! چھوٹی موٹی نہیں بہت بڑی سائیکاٹرسٹ ہوتی ہیں پڑھے بغیر چپکے چپکے اپنی زندگی ہم میں انڈیلتی چلی جاتی ہیں' ہمیں خبر کیے بغیر ہو سکتا ہے کچھ کو اعتراض ہو لڑکے بہت لاپروا کیئرلیس ہوتے ہیں انہیں باہر کی دنیا بہت اٹریکٹ کرتی ہے مگر مجھ جیسے لڑکے جن کے گھر میں بہن نام کی مخلوق نہ ہو وہ خود بخود اپنی ماں کی بیٹی پلس بیٹا بن جاتے ہیں۔ سو میری تمام تر سوچوں کے باوجود میرے ہاتھوں نے اپنا کام جاری رکھا تھا یہاں تک کہ سب سے آخری خانے میں مجھے گوہر مراد مل ہی گیا۔

لیکن یہ ویسے ہی صفحے تھے جیسے میں کبھی کبھی افسانے لکھنے میں استعمال کیا کرتا تھا اب آپ سے کیا پردہ یہ افسانے لکھنے کی ہیڈک اماں پر افشا نہیں و گرنہ وہ مجھے دو اور دو چار کرنے والا تاجر نہیں کہتیں لیکن بس مجھ میں کچھ جھجک سی تھی کہ اگر میں کبھی کہوں کہ میری تحریر پڑھیے تو اماں سب سے پہلے تو میری عزت افزائی کرنے سے نہیں چوکتیں کہ میں نے تو اچھا بھلا ایک نام دیا تھا اشم حسن کہ تم ام عمارہ کب سے بن گئے۔ اب اماں کو کیا بتاتا کہ مردوں کے پرچے رہ ہی کتنے گئے ہیں اور جو ہیں ان میں کون سی معرکہ آرا تحریریں چھپتی ہیں زیادہ تر ترجمے ہوتے ہیں یا احمقانہ فکشن انسان سے انسان کی بات کہاں ملتی ہے' مگر اماں کو یہ باور کروانا دنیا کا سب سے مشکل ترین کام تھا پھر دوسرا اعتراض ہوتا اگر وہ پہلا اعتراض ہضم کرلیتیں کہ۔

"کیا اردو ادب پر اتنا ہی برا وقت آگیا ہے کہ تم جیسے ہما شما لوگ بھی لکھنے لگے ہیں۔" سو جان عافیت میں اسی طرح رہ سکتی تھی کہ میں اپنی اس صلاحیت سے منکر ہو جاتا۔

میں نے سوچتے دماغ اور کام کرتے ہاتھوں کو روک کر وہ صفحے اپنے نوٹس والی فائل میں رکھے پھر چلنے والا تھا کہ اچانک پیپر ویٹ کے نیچے دبے ہوئے کاغذ نے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ میں نے کاغذ اٹھایا اور پریشان ہو گیا یہ تو بالکل سوسائڈ نوٹ کی طرح کی گوہر افشانی تھی۔

صفحے پر کچھ احمقانہ سی لکیریں تھیں دائیں بائیں پھول پتیاں تھیں اور درمیان میں ایک نظم لکھی تھی۔

کس کے پاس اتنی فرصت ہے کہ
مجھ سے بحث کرے
اور ثابت کرے میرا وجود
زندگی کے لیے ضروری ہے

جون ایلیا کی ساری فرسٹریشن اس نظم میں اتر آئی تھی اور مجھے کمیل زرک کے مستقبل کے کسی فیصلے سے خفقان ہونے لگا تھا۔

میں کمرہ لاک کرکے نیچے آگیا تھا انکل سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کمیل آج کل ڈپریس تو نہیں مگر انکل زرک بھی کم نہیں تھے چھوٹتے ہی پوچھ بیٹھتے۔

"اس ماحول میں ہم خوش کب رہتے ہیں سوال یہ پوچھو۔۔۔۔" یہ ایک طویل بحث تھی سو میں نے انکل زرک سے اجازت چاہی جو انہوں نے بخوشی دے دی مگر ساتھ میں پانچ سو روپے کا نوٹ بھی پکڑا دیا۔

"یہ رکھ لو فوٹو اسٹیٹ کروانے میں کام آئے گا۔۔۔۔"

ایک دل نے کہا مروت دکھاؤں اور کہہ دوں "ارے انکل یہ تو میرا فرض ہے کہ ایک دوست ہی دوسرے دوست کے کام آتا ہے۔" مگر دل نے کم بخت اتنا اچھا ہونا افورڈ ہی نہیں کیا' کھٹاک سے وہ سارے منظر یاد دلا دیے' جس میں وہ میری جیب سے غنڈہ ٹیکس کی طرح میری پاکٹ منی لے اڑا تھا۔

"مجھ پر یہ پیسے حلال ہیں۔" میں نے فتویٰ جاری کر کے روپے فوراً" پکڑ لیے ہاسٹل کی دال سے منہ دھونا

جائز ہو یا نہ ہو مجھے یہ پیسے اپنے اوپر خرچ کرنے کا پورا پورا حق تھا میں نے انکل زرک کو ایک بہت اچھی سی مسکراہٹ سے الوداع کیا اور سیدھا گھر پہنچا سب سے پہلے اماں نے میری انٹری پر حیرت کا اظہار کیا۔ انہیں' میرے گھر آجانے پر اتنی حیرت نہیں تھی' جتنی اس بات پر آج میں یونیورسٹی کے آف ڈے کے باوجود گھر سے کہاں گیا تھا۔

"نوٹس بنانے تھے اس لیے ایک دوست کے گھر گیا تھا۔"

"کمیل کے ہاں تو نہیں گئے تھے۔" میں نے بمشکل چہرے کو بے تاثر کیا پھر بولا۔

"آپ کو کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کمیل زرک میرا کبھی بھی اچھا دوست نہیں ہو سکتا وہ صرف میرے لیے ابا کے دوست کا بیٹا ہے اور بس۔۔۔۔"

اماں نے ناگواری سے مجھے دیکھا کچھ بولیں نہیں اور میں عافیت مناتا پھر سے گھر سے باہر چلا گیا۔ سارے صفحے فوٹو اسٹیٹ کروا کر میں نے پھر سے انکل زرک کا نمبر ملایا۔

کمیل ابھی تک نہیں آیا تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ میں نے بائیک سنبھالی' بیس منٹ بعد پھر سے ان کے گھر میں تھا۔

"آج خوش قسمتی ہے میری' تم ایک دن میں دو مرتبہ دکھائی دے رہے ہو۔"

"دراصل میں پاکستانی عید کا چاند ہوں نا انکل سو۔۔۔" میں نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ جملہ مکمل کیا اور انکل زرک کا قہقہہ چھت شگاف تھا۔

انکل نے فوٹو اسٹیٹ کاغذات دیکھے تو خود بخود کمرے کی چابی کی طرف اشارہ کردیا۔ میں اندر گیا اس کے وہ صفحات جگہ پر رکھے' نوٹس کے کاغذات ٹیبل پر رکھے اور اچانک نظر پھر سے اس شاعری پر جا ٹکی۔

میں نے نظر نظم سے بمشکل چھڑائی اور گھر کی طرف بھاگا۔ انکل چائے کے لیے روکتے رہ گئے۔ کیونکہ آنٹی کسی پارٹی میں جا چکی تھیں مگر میں ان کی اس دریا دلی کا مزا لینے کے لیے رکا نہیں۔

☼ ☼ ☼

گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کی آواز سنائی دی' جس کی آواز اس وقت میں قطعاً" سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ ماں سے دہی بڑوں کی ترکیب پوچھ رہا تھا۔ مجھے آتا دیکھا تو ایکسرے کرنے والے انداز میں اپنی آنکھوں کی لائٹ ڈالنے لگا۔

"تم اور باہر سے آتے دکھائی دے رہے ہو خیریت تو ہے؟"

"کیا مطلب؟ میں ہر روز یونیورسٹی آتا جاتا ہوں یہ کون سی نئی بات ہے۔۔۔۔" اس کی کھوجتی نگاہوں کو میں نے نپا تلا جواب دیا اور وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا دہی بڑوں کی ترکیب لکھتے ہاتھ وہیں تھم گئے تھے' کچھ ساعتیں ایسی ہی گزریں تب اس نے اگلا جال پھینکا۔

"نئی بات یونیورسٹی جانا نہیں نئی بات شام گئے کہیں باہر سے آنے میں ہے۔" وہ میرے قریب ہو گیا پھر آنکھیں چمکا کر بولا۔

"کوئی حماقت تو نہیں پال لی ہے۔"

میں نے اسے گھور کے دیکھا۔ اماں کچن میں ہی تھیں اور گو وہ بات بہت منمنا کر کر رہا تھا لیکن اگر اماں نے سن ہی لیا تو ساری ساکھ جو اتنے دنوں سے بنائی تھی بگڑ کر رہ جاتی۔

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور باہر آگیا پھر خشمگیں نگاہوں سے گھور کر بولا۔

"یہ کیا بکواس تھی۔ کیا میں تمہیں انہی خرافات میں مبتلا لگتا ہوں۔۔۔۔"

"میرا خیال تھا کہ ہو گے آخر کو اتنی ڈھیر ساری محبت جو لکھتے ہو اپنے افسانوں میں۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا اس پر یہ کیسے کھلا کہ میں لکھتا ہوں؟ میں سوچ میں پڑ گیا تھا اور وہ میری کیفیت سے حظ لیتے ہوئے بولا۔

"ایک دفعہ تمہارا ایک ادھورا افسانہ پڑھنے کی کوشش کی تھی کچھ نہیں سمجھ آیا تھا ویسے یہ تم ام

عمارہ کب سے ہوگئے۔" وہ مجھے چڑانے کی کوشش کر رہا تھا سو میں نے اندر ہی اندر گنتی شروع کردی تھی اس نے خاطر خواہ دھماکا نہیں سنا تو منہ بنا کر واپس اماں کے پاس کچن میں دوبارہ دہی بڑوں کی ترکیب لکھنے لگا اور میں جانتا تھا اماں ترکیب سے زیادہ اس کی پیٹ پوجا کا بندوبست کررہی ہوں گی' آخر کوان کا لاڈلا بیٹا جو تھا۔

میں نے تب کر اپنے کمرے کی راہ لی مگر اس کے ہوتے ہوئے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا' سو کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ ہلکے سروں میں عمیں نے سی ڈی پلیئر پر غالب لگالیا تھا میں موسیقی کے سروں میں بھیگ رہا تھا جب اچانک وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کافی پیو گے..... اماں میرے لیے بنارہی تھیں میں نے کہا ایک کپ زیادہ بنالیں ایشم بھی پی لے گا۔" خاص جتانے والا انداز تھا۔

اور میں حسب سابق گرم ہوگیا۔

مجھے آپ کی اس رحم دلی کی قطعا" ضرورت نہیں مجھے کافی پینی ہوگی میں اپنی مدد آپ کے تحت بنالوں گا۔"

"ارے کہاں محنت کروگے کافی تو کسی اچھے دوست کے ساتھ ہی بیٹھ کر پینے کی چیز ہے۔" اس نے طرح دی اور میں نے گھورنا اپنا حق سمجھا۔

"کیا کچھ غلط کہہ دیا ہے میں نے....." وہ اب بالکل اندر آگیا تھا۔

تب میں نے اس کی طرف دیکھ کر سی ڈی آف کر دی اور نپے تلے انداز میں بولا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کافی کسی اچھے دوست کے ساتھ بیٹھ کر ہی پینے میں لطف دیتی ہے اور مائنڈ اٹ میں تمہیں برادوست بھی سمجھنے کے حق میں نہیں۔"

"کوئی بات نہیں یہ سب چلتا ہے' مجھے معلوم ہے میں بہت کم لوگوں کے معیار پر پورا اترتا ہوں۔" لہجے میں کچھ تھا ضرور میں نے چونک کر دیکھا زبان میں کھجلی ہوئی کہ پوچھوں وہ سوسائڈ نوٹ جیسی نظم کیا تھی۔ مگر تعلقات کبھی اچھے ہی نہیں رہے تھے۔ جو میں یہ سوال کرتا۔ میں خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا' وہ گنگنا کر اٹھا تھا اب اس کا رخ میری سی ڈیز کی طرف تھا۔

"قطعا" نہیں میں اپنی کوئی چیز تم سے شیئر نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم سے اجازت کون لے رہا ہے۔" اس نے میرے روکتے ہاتھوں کو جھٹکا اور دو تین سی ڈی ہاتھ میں پکڑ لیں۔ میری شکل رونے جیسی ہوگئی اپنی کوئی بھی چیز اسے دینے کا سوچ کر ہی میرے اندر سراسیمگی پھیل جاتی تھی وہ اول درجے کا کیئرلیس تھا مجھے یاد نہیں پڑتا کوئی چیز اس کے ہاتھوں میں جاکر کبھی سالم حالت میں واپس ملی ہو' ہر غیر ذمہ داری پر وہ سوری کہنا بھی ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس نے مزید کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اماں کافی کمرے میں دے کر چلی گئی تھیں وہ کافی پیتے ہوئے مجھے عجیب تولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اپنی تھنگ رانگ۔" غیر متوقع سوال کیا مگر میں نے پشت کرلی جواب نہیں دیا اور وہ کندھے اچکاتا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼
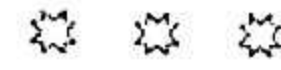
"تمہیں پتا ہے ڈیر! مجھے کبھی بھی ڈائری لکھنے کی حاجت نہیں ہوئی' مجھے لگتا تھا زندگی میں سب سے زیادہ بے کار کام یہی ایک ہے جس میں وقت بہت اچھی طرح ضائع ہوسکتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اندر کا ابال بڑھ جاتا ہے تو میں یونہی سفید کاغذ نیلے کرنے لگتا ہوں' گھر میں کوئی نہیں ہے جس سے گفتگو رہے۔ بابا ایک اچھے آئی ایس پی آر آفیسر ضرور ہیں لیکن ان کے اندر بھی کوئی خانہ ایسا نہیں ہے جہاں میں سماسکوں۔

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں اپنے ہی گھر میں رہتے ہوئے دربدری کا عذاب سہہ رہا ہوں میرے اندر کوئی ایسی یاد نہیں ہے جو مسکراہٹ جگاسکے۔ تمہیں شاید مجھے اپنی کہانی پہلے دن سے سنانی پڑے لیکن میں پہلے دن سے تمہیں کیا سناؤں۔

کہتے ہیں ایک گھر تھا' جہاں محبت کے دھوکے سے

قدم جمائے تھے یوں سمجھو جیسے کوئی نومولود دنیا میں آکر ہمک کر ہاتھ پھیلائے مگر اس کے ہاتھ میں توجہ کا ایک سکہ بھی نہ رکھا جائے' میرے ماں باپ کی محبت بھی ایسی ہی تھی۔ ان کے درمیان محبت نہیں ہوئی تھی بس محبت ہونے کا گمان گزرا تھا مگر جب ایک بندھن باندھ لیا ساری دنیا کی مخالفت مول لے کر تو اسے نبھانا ہی تھا نا۔ سو وہ بقول کسی دانا کے اس ربڑ کو کھینچتے چلے گئے۔

اور جب میں دنیا میں آیا تو ان کے ہاتھ میں کھینچنے والا ربڑ دو ٹکڑوں میں بٹ گیا دونوں میں انا خودی اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے اس ربڑ کو چھوڑنے کی جسارت نہیں کی اور میں ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

ماما کے برخلاف پاپا کی ایک اچھی بات یہ تھی کہ وہ مجھ سے بالکل بیگانہ نہیں تھے یہی وجہ تھی کہ اتنی ٹف جاب کے باوجود خبروں کو نرم کرکے پریس کے سامنے قابل قبول حالت میں پیش کرنے کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بالکل اگنور نہیں کرپاتے تھے' میرے لیے یہی بہت ہونا چاہیے تھا لیکن میرے اندر صبر نہیں تھا پھر ایک دن پاپا مجھے اپنے ایک دوست کے گھر لے کر چلے گئے۔ ان دنوں مجھے بخار تھا لیکن ماما کے پاس فرصت نہیں تھی۔ انہوں نے میرے لیے میڈ رکھ دی تھی میں کتنے دنوں تو دو چہروں میں سے ایک چہرہ ماں کے خانے میں رکھنے کی تگ و دو میں رہا' لیکن جب بیمار ہوا تو پاپا نے ایک تیسرا چہرہ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں ان کی گود میں گیا تو کچھ نئے پن کا سا احساس ہوا کتنی دیر تک میں اس چہرے کو تکتا رہا پھر اچانک اس چہرے نے مجھے ایک میرے ہم عمر کے ساتھ بٹھا دیا وہ ہوائی جہاز سے کھیل رہا تھا اور ہوائی جہاز میرا پسندیدہ کھلونا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے جہاز چھین لیا اور بس وہ دن ہے آج تک میں اس کے ہاتھ سے چھین ہی رہا ہوں اب تمہیں کیا بتاؤں غنڈہ ٹیکس وصول کرنے میں کیا مزا ہے۔

لیکن ایک بات بتاؤں دراصل اس سے کوئی چیز چھیننے میں مجھے شاید اس لیے مزا آتا ہے۔ کیونکہ اسے میری پروا ہوتی ہے کسی کے لیے اہم ہونا کم اہم بات نہیں وہ بظاہر مجھ سے جتنا بھی چڑے اسے میرے آنے اور جانے سے فرق پڑتا ہے پھر اس کے گھر میں اماں ہیں! میں نے اگر اس لفظ کی ٹھیک تشریح کہیں ہوتے دیکھی ہے تو وہ ایشم کا گھر ہے بظاہر میں اماں کے متعلق اسے کتنا ہی ستاؤں' ریمارکس پاس کروں' لیکن یہ حقیقت ہے مجھے اماں سے ایشم سے بڑھ کر عشق ہے۔ کسی نے کہا تھا مرد کا پہلا عشق اس کی ماں ہوتی ہے جس سے وہ محبت کی پہلی سیڑھی چڑھتا ہے بندھن باندھنا سیکھتا ہے اسے پہلی بار معلوم ہوتا ہے دنیا میں ایک ایسا جذبہ بھی ہے جو آپ کی نہیں سنتا جسے یہ پروا بھی نہیں ہوتی کہ آپ اس کے بارے میں کچھ سوچتے بھی ہیں یا نہیں وہ تو بس آپ پر ایک دم سے حاکم ہو جاتی ہے "میں ہوں!" کا اعلان بن کر آپ کے پورے وجود پر چھا جاتی ہے اور یہ کیفیت! یہ کیفیت بہت پیاری ہے مجھے۔ اس لیے اماں مجھے دنیا کی ہر چیز سے پیاری ہیں پتا نہیں دنیا میں اماں ہیں..... یا اماں میں ایک دنیا مگر مجھے ہر دن نئی طرح سے انہیں کھوجنا بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر اس کے گھر میں ابا ہیں اور میرے پاپا کے دوست۔ میں نے اتنا پیار کبھی نہیں دیکھا جتنا پیار ان دونوں میں ہے۔

تمہیں معلوم ہے انسان محبت کرنے لگتا ہے تو سیلفش ہوجاتا ہے لیکن ان دونوں نے اپنی محبت ہی کو ایثار کردیا۔ دونوں ایک ہی لڑکی سے محبت کرتے تھے۔ محبت کسی ایک کو ہی مل سکتی تھی سو ابا نے پاپا کے لیے اس محبت کا شہر چھوڑ دیا اور پاپا نے ان ہی دنوں اس معاملے کو نبٹانے کے لیے میری مما سے شادی کرلی دونوں کو محبت کا صرف گمان ہوا تھا لیکن پاپا جانتے تھے یہ گمان کتنا جھوٹا ہے وہ صرف عمر گزارنا چاہتے تھے سو انہوں نے عمر گزار دی اور میں نے ان دونوں کی آنکھوں میں زندگی کو سہل ہوکر گزرتے دیکھا۔

ہار جانے میں کبھی تسکین نہیں ملتی' لیکن اگر ہارنا محبت کی جیت کے لیے ہو تو یہی اجر بن جاتا ہے سو پاپا کی ڈائری نے چپکے سے مجھے یہ جس لمحے بتایا اس دن کے

بعد سے پاپا میرے لیے اہم ہستی بن گئے مجھے ابا اور پاپا دونوں کی محبت نیسی نیٹ کرتی تھی۔ میں ایشم اور اماں ، ابا اور پاپا ہماری یہ کل کائنات تھی اور بہت اچھی تھی۔

کیا تم یہ پوچھنا چاہتی ہو پیاری کہ وہ جو میں ایشم سے اوپر رہنے کی جنگ کرتا ہوں اس سے وکھرا نظر آنے کی تمنا میں ہوتا ہوں تو وہ تو جسٹ جوکنگ ہوتا ہے دراصل وہ چڑچڑا سا فول نول کرتا ایشم بہت کیوٹ لگتا ہے کسی کا غصہ اتنا پیارا نہیں ہو سکتا لیکن اس کا غصہ بہت پیارا ہوتا ہے اور ابھی جو میں نے تازہ شرارت کی ہے وہ تو اسے آگ لگا دے گی۔ تمہیں بتاؤں تم بتاؤ گی تو نہیں؟

چلو کیا یاد کرو گی میں نے اس کے لیے ایسا گیم ڈھونڈا ہے کہ وہ کوشش کے باوجود اس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ وہ ایشم کے پڑوسی ہیں نا علی صاحب ان کی بیٹی عینا ہماری یونیورسٹی میں پڑھتی ہے وہ اکثر ایشم سے نوٹس لینے بھی آتی ہے مگر وہ پاگل لڑکا اسے پتا ہی نہیں ہے کہ وہ چپکے چپکے اس سے کتنی محبت کرتی ہے میں نے اس کی آنکھوں میں اس کی محبت اسپارک کرتے دیکھی ہے مگر وہ گھامڑ کتابوں کی دنیا سے نکلے تو اس کو اس شہرِ دل کا راستہ بھی معلوم ہو۔

اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ محبت پہ لکھتا تو رہے گا لیکن واقعی محبت کو چکھ کر کبھی نہیں دیکھے گا۔ لیکن میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں اس کی زندگی میں بھونچال لا کر ہی رہوں گا سو میں نے اس کے نام سے عینا کی دوسرے شہر میں بیاہ کر جانے والی ہماری یونیورسٹی فیلو عائشہ کے نام سے کئی خط اس کے لیٹر بکس میں ڈالے ہیں۔

اب تو عینا کو بھی اس کے خط کا انتظار رہنے لگا ہے اور رہا ایشم تو اس کے خلاف بھی میں نے یہی کارستانی کی ہے۔ مگر بہت مضبوط ہاضمہ ہے ابھی تک ان نقلی لو لیٹرز کی مجھے ہوا تک نہیں لگنے دی لیکن جب محبت راستہ بنائے گی تو ہم اسے دیر تک یاد آئیں گے۔۔۔“

☼ ☼ ☼

صفحے خالی تھے اس کے بعد اور میری آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھٹ گئی تھیں میں اتنے دنوں سے جو محبت کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا تو وہ مجھے جھلا رہا تھا۔

”کمیل زرک۔۔۔“ میں نے مٹھیاں بھینچ کر سر اٹھایا۔ اور پھر سر جھکانا یاد نہیں رہا تھا میرے سامنے وہ مجسم کھڑا تھا۔

”تم کیا سمجھتے تھے میری مرضی کے بغیر تم مجھ میں اتر سکتے تھے۔“ اس نے میری ڈائری سامنے کر دی ایک اور دھماکہ۔

”تم ، تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری پرسنل ڈائری پڑھنے کی۔۔۔“ میں نے ڈائری چھین لی اور وہ میرے بیڈ پر گر کر مجھ پر ہنسنے لگا۔

”اچھی کہی ، مجھے پہلے کبھی کسی کام کی اجازت لینے کی ضرورت پڑی تھی جو میں اب کرتا ، ویسے تمہاری محبت کا اسٹائل پسند آیا۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔“ میں نے غصہ کرنے کی کوشش کی مگر غصہ آیا ہی نہیں تب اچانک میرے ذہن میں جون ایلیا کی وہی نظم گونجی۔

”تم نے وہ نظم کیوں لکھی تھی۔“

”کیا ضروری ہے میں اس سوال کا جواب دوں۔“ وہ یکدم پرجوش مزاج سے پھر سرد مہری کی چادر میں لپٹ گیا تو مجھے حیرت ہونے لگی۔

”تم بہت امیزنگ مین ہو کوئی تمہاری تھاہ ہی نہیں جان سکتا۔“ میں نے بڑھ کر اسے چھونے کی کوشش کی مگر وہ کمرے سے جس طرح اچانک آیا تھا اس طرح اچانک چلا گیا تھا۔

”کوئی گڑبڑ ہے ضرور۔“ میں نے سوچا اور اس کی تحریر کی طرح اسے کھوجنے کے مشن پر جت گیا پھر اچانک مجھ پر کھلا محبت کس طرح کس کی آنکھ میں اسپارک کرتی ہے اور محبت لکھنے سے زیادہ کس طرح محسوس کرنے کی چیز ہے۔

کمیل زرک کی آنکھ میں یونیورسٹی کی قاتلہ عالم مشہور راحیلہ مزاری کے لیے اتنی چمک تھی کہ مجھے حیرت ہوئی وہ جو ہر بات میں کسی نہ کسی لاجک کا قائل تھا وہ ایک ایسی لڑکی سے کیسے محبت کرنے لگا ہے جس کا محبت کے بارے میں جسٹ فار انجوائمنٹ سے زیادہ کا تجربہ نہیں ہے۔ میں اس سے یہ سوال پوچھ سکتا تھا لیکن اس طرح وہ کورڈ ہو جاتا سو میں خاموشی سے اس کے ارد گرد رہنے لگا تب مجھ پر الہام ہوا جو چمک راحیلہ مزاری کے لیے اس کی آنکھ میں تھی وہی چمک دیا عمر کی آنکھ میں بھی تھی ، دیا عمر عینا کی نئی دوست تھی اور حال ہی یونیورسٹی میں مائیگریٹ کر کے آئی تھی ، لیکن محبت کے بارے میں اس کے خیالات نہایت نادر قسم کے تھے۔

وہ اسے آنکھ سے محسوس کرنے کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھی زبان سے کہنا محبت کی ہتک سمجھتی تھی میں نے دیا سے میل جول بڑھایا تو عینا کو کھٹکنے لگ گئے لیکن جب اسے حقیقت کا معلوم ہوا تو میرا گروپ بڑھ گیا اور اسی سے پتا چلا وہ راحیلہ مزاری کی محبت میں کس حد تک ڈوب چکا ہے۔ وہ دن کہتی تو دن کہتا وہ رات کہتی تو رات کہتا اسی محبت کے چکر میں اس نے میرے گھر آنا بھی چھوڑ دیا۔ اماں اسے مس کرنے لگیں۔ ابا اس کی کمی محسوس کرتے رہے خود زرک انکل کو وہ اب ناپید چیز لگنے لگا تھا اور خود میری زندگی میں بھی ایک ٹھہراؤ ایک جمود آ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت ضروری ہو گیا تھا ہم سب کے لیے اور جب ہمیں یہ ایقان ہوا تو وہ ہمارے لیے نایاب ہو گیا پھر میں اسے کھوجتا ہی رہا کہ اچانک انکل زرک کا فون آ گیا اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اس کی حالت بہتر ہوئی تو انکل نے ہمیں فون کیا۔ ہم سب اسے دیکھنے گئے اور مجھے حیرت ہونے لگی وہ صدیوں کا بیمار دکھائی دیتا تھا۔

”یہ کیا حالت بنا لی ہے تم نے۔۔۔“ میرے دل کو کچھ ہوا اور وہ میری ہونق صورت دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”کچھ نہیں ہوا ٹھیک ہوں میں ، بس کچھ آرام کرنے کا من تھا سو۔۔۔“ اس نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالا ایک کے بعد دوسرا سگریٹ تو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا۔

”تم پہلے تو اتنی اسموکنگ نہیں کرتے تھے؟“ اس نے لائٹر سے سگریٹ کے سرے کو جلایا پھر تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

”جو کام پہلے نہیں کرتا تھا کیا ضروری ہے ساری زندگی نہ کروں اب میں بڑا ہو گیا ہوں اور اسموکنگ سے انسان بڑا لگتا ہے۔“

”مجھ سے احمقانہ باتیں مت کرو۔۔۔“ میں نے چڑ کر سگریٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر کھردرے لہجے میں بولا۔

”پلیز ایشم سگریٹ مت چھینو ابھی اس کا تو گمان ہے کہ سگریٹ کا سرا جل کر دھواں دے رہا ہے اگر یہ آسرا بھی چھوٹ گیا تو میں دھواں ہو جاؤں گا۔“

میں نے اس لمحے اسے دیکھا پھر پتا نہیں کیسے جی اس کے لیے تڑپ اٹھا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”راحیلہ نے تمہارے ساتھ بے وفائی کی ہے؟“ اس نے آنکھیں بھینچ لیں جیسے کچھ کہنا نہیں چاہتا ہو۔ مگر مجھے بھی ضد ہو گئی تھی کہ جان کر رہوں گا اور وہ ”کس کے پاس اتنی فرصت ہے۔“ کی نظم کا مصرعہ بن گیا تھا۔ میں اس سے بحث کرنا چاہتا تھا مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا نا امیدی اس کے اطراف میں گھیرا ڈال کر کھڑی تھی۔ مجھے لگا وہ بہت ٹوٹ گیا ہے اتنا زیادہ کہ شاید سوسائڈ نوٹ لکھے بغیر ہی زندگی کو چھوڑ دے گا تب بہت اچانک اس کے موبائل پر پہلی بار میسج ٹون سنائی دی۔

”کس کا ہے۔۔۔“ میں اس کے قریب بیٹھا اسے وہ سوپ پلانے کی کوشش کر رہا تھا جو انکل نے خصوصی طور پر خانساماں سے تیار کروایا تھا سو سوال کرنا آسان رہا اور اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔

”پتا نہیں کون پاگل ہے مجھ پر خالی خولی علمیت کا رعب جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔“ میں نے میسج پڑھا لکھا تھا۔

”دنیا جینے جیسی چیز نہ بھی ہو تب بھی ہمیں امید کا آخری سرا نہیں چھوڑنا چاہیے اس آخری سرے پر خدا بھی ہو سکتا ہے اور محبت بھی۔“

میں نے جملے کی داد دی اسے اس لمحے ایسے ہی کسی میسج کی ضرورت تھی۔

"تم غور سے پڑھو نا اتنی احمقانہ بات بھی نہیں۔" میں نے موبائل واپس اس کی طرف بڑھایا اس نے نظر بھر کر دیکھا پھر میں رات اس کے پاس ہی رک گیا' تب موبائل بجنے لگا وہ سو رہا تھا چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم ابھی تک گھر نہیں گئے۔" میں نے جواب دینے کی بجائے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا تب اس نے نمبر دیکھ کر لائن ڈس کنیکٹ کر دی موبائل کچھ ساعت بعد پھر بجا اس نے اس بار ریسیو کر لیا۔

"ہیلو کون بول رہا ہے۔"

"میں بول رہی ہوں ـــــ" آواز صاف سنائی دے رہی تھی میں اسے دیکھنے لگا اور وہ چڑ کر بولا۔

"آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے محترمہ آپ نے مجھے کیوں تنگ کر رکھا ہے۔"

"میں نے آپ کو کب تنگ کیا ہے میں نے تو وہ سارے میسجز صرف آپ کو سینڈ کیے تھے' جو میری دوست نے مجھے کیے تھے میں کسی باہوش شخص سے مکالمہ کرنا چاہتی تھی کہ واقعی یہ باتیں کسی خودکشی کرتے انسان کو روک سکتی ہیں۔"

"خودکشی ـــــ" اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور میرے چہرے پر حیرت آنے لگی۔

"ہاں میں کسی ایک فیصلے پر پہنچنا چاہتی ہوں کہ زندگی جینے کی چیز ہے بھی یا صرف لفاظی ہے۔"

"آپ میرا مذاق اڑانا چاہتی ہیں۔ محترمہ۔" اسے ایک دم غصہ آ گیا اور دوسری طرف لہجہ ایک دم روکھا ہو گیا۔

"کیا موت کی طرف جانے والا اتنی ہمت کر سکتا ہے کہ وہ قہقہہ لگا سکے۔"

"ہاں میں قہقہہ لگا سکتا ہوں ـــــ" اس کا دماغ عجیب طرح سے ڈسٹرب تھا سو قہقہہ بھی ڈپریس تھا تب میری جان آنکھوں میں کھنچ آئی یعنی وہ اندر سے اس انتہائی قدم کو سوچے بیٹھا تھا وہ کسی باہر کی چیز سے نہیں مرنا چاہتا تھا وہ صرف اپنے وجود کے رد عمل سے خود کو مار رہا تھا۔

میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور وہ میری طرف توجہ دیے بغیر بولا۔

"آپ نے سنا میں نے کتنا جان دار قہقہہ لگایا ہے۔" دوسری طرف سرسرائے لہجے میں کہا گیا۔

"قہقہہ لگانے کی صلاحیت زندہ ہے تو کیا آپ کو لگتا ہے واقعی مرنے کی خواہش واقعی آپ کے اندر سے آئی ہے آپ نے خواہ مخواہ خود پر مسلط نہیں کی۔" نیا سوال وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ رہ گیا۔ وہ بولی۔

"مجھ میں مرنے کی خواہش باہر سے نہیں آئی اندر سے اٹھی ہے اس لیے میں کوشش کے باوجود ہنس نہیں سکتی' مجھے لگتا ہے ہنسی زندگی کی طرف کھلنے والا چور دروازہ ہے یہ مکمل طور پر ہمیں ایک فیصلے پر آنے سے روک دیتی ہے۔"

اس نے خاموشی سے اگلا جملہ بھی سن لیا کچھ بولا نہیں اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں نے اس کے چہرے میں ایک بحالی سی دیکھی جیسے کوئی گرہ نے ہلکی سے کھلنے کی جنبش کی ہو۔ میں نے کچھ نہیں کہا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں کہیں سے نمی آ گئی تھی پہلے وہ سکتے میں تھا رونا نہیں چاہتا تھا صرف مرنا چاہتا تھا لیکن اب جیسے کوئی مارجن لینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے چھیڑا نہیں اس نے خود جیسے ہواؤں کو مخاطب کر کے مجھے مخاطب کیا۔

"راحیلہ نہ اچھی لڑکی تھی نہ بری وہ صرف دل کا مطلب نہیں سمجھتی تھی اس نے بہت سے دل توڑے بہت سی زندگیاں تباہ کیں' لیکن جب عارف جیسے درویش صفت انسان کی زندگی سے کھیلی تو میں نے اس سے جھوٹی محبت کی اٹھان کی باتیں کیں' قصے گھڑے وقت گزارا اور پھر جب ہر بار کے برخلاف وہ میری محبت سے پگھل گئی تو میں نے اس کے ساتھ وہی کیا جو اس نے سب کے ساتھ کیا' نہیں نہیں اب نہیں میرے دل کو تیری طلب نہیں کا فقرہ میری آنکھ میں

دیکھ کر پہلی بار اس کی آنکھ میں آنسو چمکے اس لمحے میں اس پر بہت بھنایا تھا۔ مگر گھر لوٹا تو مجھے پتا چلا میں کیا چیز گنوا آیا ہوں دل ٹٹولا تو سینے میں جہاں دل تھا وہاں درد کے سوا کچھ نہیں تھا' تب مجھے لگا محبت نے مجھے جو سزا نہیں دی وہ سزا میرے اندر کہیں اتر گئی ہے اور سزا دل کے قتل کی ہو تو زندگی سے رشتے کی بات کرنا نوعیت سزا کو اور گمبھیر کر دیتا ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں کہا۔

"نوعیت سزا ـــــ تمہاری اپنی تجویز کردہ ہے پھر محبت کو الزام دینا کیا معنی۔

یہ تو تمہیں لگتا ہے تم نے اس کے دل کا قتل کیا ہے لیکن میں نے اسے کل ہی ایک نئے چہرے کے ساتھ دیکھا ہے اسی محبت اسی وارفتگی سے پھر جب اس کی زندگی نہیں رکی تو تمہاری زندگی کیسے رک سکتی ہے۔" میرا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

وہی لڑکی تھی اس نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف سے گمبھیر لہجہ گونجا۔

"میں نے بہت سے افراد سے یہی سوال دہرائے تھے جو تم سے کیے مگر سب کا یہی خیال ہے فیصلہ شرط ہے پھر ہر لفظ ہر امید بے کار ہے۔ میں نے بھی آج فیصلہ کر لیا ہے میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"کیا واقعی آپ کے پاس جینے کی کوئی امید باقی نہیں؟ کیا کبھی کسی نے آپ کو دل سے کوئی ایسی دعا نہیں دی جو آپ کی زندگی کو اجر کی طرح لگ گئی ہو۔ کوئی پہلی خوشی کوئی پہلا انسان پہلے جینے کی تمنا سے بھرا خیال' کوئی دعا جو آپ نے کبھی مانگی ہو اور جس نے یکدم آپ کو زندگی سے قریب کر دیا ہو کوئی خوب صورت یاد یا اپنے خدا کا خیال کہ اس نے آپ کی امید کے ہر سرے کو اپنے ہاتھ میں تھام رکھا ہے ـــــ" میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر بظاہر اسے کہا لیکن درحقیقت میں نے اس کے نرم پڑتے اعصاب پر اپنے لفظوں کے بھائے رکھے ایسے ہی جیسے کسی جاں کنی میں مبتلا مریض کو ٹھیک دوا دے دی جائے۔

وہ مجھے دیکھنے لگا دوسری طرف لڑکی اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی سو میں اس بات سے ناراض ہوئے بغیر کہ وہ آواز کے بدلاؤ سے میرا مصروف گفتگو کیوں رہی میں نے اس کا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا پھر دوسرے دن صبح یونیورسٹی چلا گیا۔

پھر واپس لوٹا ہی تھا کہ اپنے کمرے میں میوزک کو سن کر مجھے احساس ہو گیا۔ وہ زندہ رہنے پر راضی ہو گیا ہے۔ میں کمرے میں گیا تو وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"کیا رہا' تم نے اس لڑکی کو زندگی کی سمت کا راستہ دیا؟" وہ مسکرانے لگا پھر ہنس کر بولا۔

"ہاں کل میں ساری رات اس سے بات کرتا رہا اس کی باتوں سے بات نکلتی چلی گئی میں بے خودی میں اس کے اندر پڑ جانے والی زندگی کی کرن پر گرہ کھولتا چلا گیا واپس پلٹا تو مجھے لگا کسی نے میرے اندر کے جالے

ایک دم سے ختم کر دیے ہیں تمہاری بات واقعی بہترین سارا تھی رات بھر وہ اور میں پہلی خوشی، پہلے انسان، پہلی دعا، پہلی جینے کی تمنا اور خوب صورت یاد دہراتے رہے کل وہ بھی خوب جی بھر کر روئی اور کل میں بھی خوب رویا تب مجھے پتا چلا بارش کے بعد دل کو آسمان نکھرا نکھرا کیوں لگتا ہے۔"

میں نے ہنس کر اس کی طرف قدم بڑھائے اس بار اس نے میرے ہاتھ بنا کسی زعم کے تھام لیے تھے پھر سرخوشی سے بولا تھا۔

"زندگی میں ایک ہاتھ ایسا ضرور ہونا چاہیے جسے آپ گرتے وقت تھامنے کے لیے کسی اجازت کے محتاج نہ ہوں، آپ کو پوری دنیا میں کوئی ایک محبت بھرا دل ضرور محبت میں سمیٹنے کے لیے تیار ہو۔ ایک گھر ہو جو عافیت ہو محبت کا شجر کہتے ہیں کبھی خزاں سے نہیں سوکھتا۔ ہر موسم میں امید کی ایک کونپل ضرور اس شجر کو زندگی سے جوڑے رکھتی ہے اور پھر زندگی بن جانے سے اسے کون روک سکتا ہے۔"

میں نے اسے گلے سے لگا لیا وہ شاعر تھا مگر بہت اچھی نثر کہہ رہا تھا اس دن ہم نے بہت دیر تک شکوے گلے کیے۔ پہلی دعا، پہلی خوشی، پہلا سہارا سب

زیر بحث آیا شام ہوئی تو وہ مجھے چپکے سے شیرٹن لے گیا۔ وہ مجھے اس لڑکی سے ملوانا چاہتا تھا جس نے اس میں پھر سے زندگی کی ہمک بھر دی تھی۔ چائے آچکی تھی جب اچانک وہ ہماری میز کی طرف بڑھتی چلی آئی۔ میری آنکھیں چمکنے لگی تھیں وہ ایک بہت اچھی ساتھی بن سکتی ہے میرا خیال تھا مگر اس نے ثابت کر دیا تھا وہ اس سے باتیں کر رہا تھا اور اسے حیرت تھی کہ وہ ہماری یونیورسٹی میں ہی پڑھتی تھی اور کمیل اس سے واقف نہیں تھا۔ مجھے کمیل کی یہاں ناواقفیت پر ہنسی آئی اور سکون بھی ملا کہ بات بگڑنے کا سماں نہیں بندھا سو ہم جب چائے پی کر اٹھے تو بہت ہلکے پھلکے تھے۔

میں نے اس کی رائے جان کر انکل زرک سے دوسرے ہی دن بات کی انہیں کیا اعتراض ہوتا تھا۔ وہ

مان گئے مگر جب میں گھر پلٹا تو وہ ایک ایسا ہی سین میرے گھر میں بھی کری ایٹ کر چکا تھا اماں بہت خوش تھیں ابا بھی اور میں خوشی تو مجھے بھی کم نہیں تھی کہ واقعی "دنیا میں ایک ایسا ہاتھ ضرور ہونا چاہیے جسے گرتے وقت تھامنے کے لیے آپ اجازت کے محتاج نہ ہوں"

میں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور آج ایک ہفتے بعد اکتیس دسمبر کو جب ٹھیک بارہ بجے میری برتھ ڈے بھی ہوتی ہے اس دن گھر میں خوشی کا سماں باندھ دیا گیا تھا وہ سب نیچے تھے اور میں اوپر بیٹھا یہ ڈائری میں رقم کر رہا ہوں۔

"کوئی آ رہا ہے شاید یہ کمیل ہے؟" میں نے بنا دیکھے پہچان لیا اور واقعی وہی تھا اس نے میرے ہاتھ سے پین چھین لیا تھا۔

"چلو چلو سب نیچے تمہارا انتظار کر رہے ہیں رنگ نہیں پہنانی بھئی تمہیں جلدی نہ ہو لیکن مجھے بہت جلدی ہے چلو بھئی کافی بھی تو پینی ہے۔"

اس نے مجھے لالچ دیا ہے مگر یہ لالچ بہت مزے دار ہے۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں واقعی محبت کسی بھی روپ میں ہو امر ہوتی ہے کیا یہ کم ہے ہم دونوں زندگی کے کسی بھی موڑ پہ تھم کر ٹھہریں ہمارے ہونٹوں کو ایک دوسرے کی موجودگی مسکراہٹ دے گی اور کافی۔۔۔

کیا یہ جھوٹ ہے کافی صرف کسی اچھے سے دوست کے ساتھ بیٹھ کر پینے ہی میں لطف دیتی ہے؟ میرے خیال میں تو اس سے بڑا کوئی سچ نہیں سو میں تو چلا رہی محبت۔۔۔ تو وہ ہمارے دامن میں اجر کی طرح ہمارے ساتھ ہے۔ کیونکہ ہم جان گئے ہیں دنیا میں بجز محبت کوئی بھی کچھ بھی امر نہیں ہے۔

☼ ☼

مکمل ناول

بظاہر وہ ٹیرس پر کھڑا سڑک پر دیکھ رہا تھا مگر حقیقتاً اس کی نظر سامنے بڑے سے گیٹ پر تھی اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے اور مکمل طور پر تیار تھا مگر جاتے جاتے بھی چائے کا کپ تھامے ٹیرس پر اپنے معمول کی مطابق کھڑا تھا۔

پتا نہیں اس چہرے میں کوئی خاص بات تھی' یا ساری بات اس کی اپنی آنکھوں میں تھی کہ جب آنکھیں جھپکا جھپکا کر اس چہرے کو دیکھتا تو اس میں موجود دس برس کا بچہ اس چہرے کی طرف بڑھنے کے لیے ہو کنے لگتا۔

یہ بات عجیب تھی مگر تھی اتنی شدید کہ وہ اپنی اس خواہش سے کوشش کے باوجود پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا وہ یعنی کیپٹن بیدار بخت آفریدی جو اپنے تمام کولیگز میں نہایت سخت مزاج' سنجیدہ اور دوٹوک بات کرنے والا شخص تھا وہ اس چہرے کے سامنے ہار جاتا تھا' ناجانے کیوں بظاہر تو کوئی وجہ نہیں تھی مگر اسے لگتا تھا کہ ان دو آنکھوں میں اتنا سحر ہے' کہ وہ ساری دنیا کو اس سحر سے بت بنا سکتی ہیں۔

"سر چائے اور لیجیے گا۔" پشت پر اسے اپنے ملازم کی مؤدب آواز سنائی دی تو وہ لحہ بھر کو مڑا۔

"نو تھینکس۔" اس نے کہہ کر پھر نگاہ باہر ڈال دی تو ملازم نے ہمت کر کے آج پوچھ ہی لیا۔

"آپ ہر روز اسی وقت ٹیرس سے کیا دیکھتے ہیں سر۔" بیدار بخت نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ گھبرا گیا۔

"سوری سر' شاید مجھے یہ نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"

"نہیں تم بھی میری طرح انسان ہو' اور انسان کی آخری حد انسانیت پر ختم ہوتی ہے۔" وہ لحہ بھر کو رکا پھر سرسری انداز سے پوچھا۔

"وہ سامنے والے بنگلے میں کون لوگ رہتے ہیں رشید۔"

"پہلے تو جی عاصم صاحب رہتے تھے اب پچھلے ہفتے مہر تاباں بی بی اور ان کے بچے شفٹ ہوئے ہیں پہلے یہ لوگ کراچی میں رہتے تھے مہر تاباں بی بی کا ٹرانسفر ہوا ہے یہاں' ان کے بڑے بیٹے دانیال صاحب بھی جونیئر ڈاکٹر ہیں فوج میں۔" ملازم نے تفصیل سے جواب دیا تو اس نے سر ہلا کر خالی کپ اس کی طرف بڑھا دیا اور اپنی پوری توجہ باہر کی طرف مرکوز کر دی۔

سوزوکی سیوک میں مہر تاباں آرمی میڈیکل کے فل یونیفارم میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہی تھیں اگلی سیٹ پر ایک خوبرو نوجوان اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے منتظر تھا کسی کا' پھر یہ انتظار ختم ہوا ایک شوخ سا لڑکا اور لڑکی گیٹ سے افراتفری میں باہر نکلتے دکھائی دیے ان دونوں کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور آنکھوں میں خوب صورت مستقبل کے حسین خواب' اور بیدار بخت نے دیکھے بنا جان لیا کہ اس شوخ و چنچل

لڑکی کی آنکھوں میں خواب کے ساتھ ساتھ زندگی بھی کسی مست غزال کی طرح قلانچیں بھرتی ہوگی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ آنکھیں بھی اپنی ماں ہی کی طرح ساحر ہیں اتنی کہ لگتا برسوں سے وقت ٹھہرا ہوا ہے سمندر کبھی شانت نہیں ہوتا مگر ان آنکھوں کا جادو تھا کہ سمندر بھی ساکت محسوس ہوتا۔

"ہیلو ہیلو بخت بھئی کیا اسی دنیا میں پائے جاتے ہو یار۔" ایک شوخ آواز اسے پشت پر سنائی دی تو وہ مڑا سوک اسٹارٹ ہو کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی اس لیے آہستگی سے مڑا پھر ہونٹوں پر نا جانے کیوں مسکراہٹ بکھر گئی ورنہ تو کولیگز اسے مسکرانے میں بھی بخیل قرار دیتے تھے۔

"تم کب آئے اسفندیار۔" اس نے خود کو آئینہ میں دیکھ کر پھر سے بالوں میں برش پھیرا تو اسفندیار قد آدم شیشے میں بالکل اس کے برابر آ کھڑا ہوا پھر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم لے کر خود پر اسپرے کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"پچیس برس پہلے ایک نہایت سرد دن تھا جب میں نے دنیائے فانی میں قدم رنجہ فرمایا' رہی یہ بات کیوں آیا تو ہر روز کی طرح دماغی بیماری سمجھو یہاں صاحب بہادر منہ نہیں لگاتے اور ہم ہر روز محترم کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کا اعزاز حاصل کرنے دوڑے چلے آتے ہیں' بائی دا وے آپ پچھلے جنم میں مجسمہ تو نہیں تھے' یخ' بے حس' بت لوگ سر پھوڑے جائیں مگر آپ اپنے اونچے استھان سے ایک انچ نیچے اترنے پر تیار نہ ہوں۔" بیدار بخت نے سنا تو ترچھی نظر سے اسے دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔

"پچھلے جنم سے تمہاری کیا مراد ہے" لمحہ بھر کو وہ رکا پھر بولا۔

"ریکارڈ درست کرو' کیوں کہ میں مسلمان ہوں اور اس ایک جنم پر ہی یقین رکھتا ہوں دوسرے یہ کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم بھی مسلمان والدین کی ہی اولاد ہو۔"

"اوہ گھورو مت' مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے سو اس پچھلے جنم کی تھیوری پر مجھے تم سے سوری کر لینی چاہیے اور اللہ میاں جی تو خیر معاف کر ہی دیں گے' ویسے بخت اگر اس وقت گرما گرم کافی مل جاتی تو۔" وہ قریب کے صوفے پر بیٹھ گیا تو بیدار بخت نے آہستگی سے کافی کا آرڈر دیا۔ اسفندیار نے صرف کافی کا سنا تو جھٹ سے بولا۔

"یار رشید کافی اسنیک' کیک' پیسٹری کسی چیز کے ساتھ تو لاؤ یا تم بھی اس آفیسر کی طرح خوامخواہ دنیا میں آ کر دنیا کو شرمندہ کرنے پر مجبور کر رہے ہو۔"

"اسفند کیپ کوائٹ۔" سخت لہجے میں کہہ کر اس نے مسکراتے ملازم کی طرف دیکھا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "کافی کے ساتھ کیک لے آو' مگر پانچ منٹ میں میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے برباد کرنے کو۔"

"جی ہاں صرف میں ہی تو وقت کے معاملے میں فضول خرچ ہوں' کاش بخت تمہیں اس ضائع کیے جانے والے وقت کی اہمیت کا پتا ہوتا جو ہم محبتیں محسوس اور ظاہر کرنے میں لٹاتے ہیں۔ میرا خیال ہے جو وقت محبت کیے جانے میں صرف ہوتا ہے وہ ہمارے مستقبل کے ڈپازٹ میں رہتا ہے اس وقت ہمیں سہارا دیتا ہے جب ہمارے قدم لڑکھڑاتے اور ہماری آنکھیں بجھنے والی ہوتی ہیں کہ اگر یوں نہ ہوتا تو والدین کبھی اپنی جوانی کا خوبصورت وقت اپنی اولاد کے لیے ضائع نہیں کرتے وہ زندگی انجوائے کرتے زندگی انہیں نہ انجوائے کرتی اور۔"

"اور کچھ نہیں' مجھے ایسی بے تکی باتیں سننے کا کبھی شوق نہیں رہا۔"

"یعنی محبت کا موضوع تمہارے لیے بے تکی بات ہے۔"

"قطعا"۔ کیوں کہ محبت جن رشتوں سے مشروط ہے وہ میرے ارد گرد نہیں ہیں مجھے' نہ میری ماں ہے نہ باپ نہ بھائی نہ بہن اور تم جانتے ہو اکیلے شخص کے سامنے محبت کا موضوع ایسے ہی لگتا ہے جیسے آپ کسی کے سب سے گہرے اور رگ جاں میں اترے زخم پر ہاتھ رکھ دیں۔" اس نے تلخی سے کہہ کر اپنا

والٹ پینٹ کی جیب میں رکھا ملازم کافی لے آیا تو اسفندیار کا دل اتنا کڑوا ہو چکا تھا کہ اس نے کافی پینے سے انکار کر دیا بیدار بخت نے اس کی طرف دیکھا پھر غصے سے بولا۔

"کافی پینی نہیں تھی تو بنوائی کیوں تھی۔"

"مجھے واقعی افسوس ہے تم کہو تو کافی کی قیمت ادا کر دوں۔"

"آخاہ آج جیب شاید بھاری ہے ویسے قیمت ادا کر کے پینی ہے نا تو میس سے پینا یا کسی بہترین ہوٹل سے۔" کافی کا ایک کپ اٹھا کر اس نے طنزیہ کہا تو اسفندیار کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں شاید ہمیشہ ہی غلط روٹ پر آ جاتا ہوں۔"

"یقینا" یہ تمہارا سب سے غلط فیصلہ ہوتا ہے' کیونکہ غلط روٹ سے کبھی سیدھے راستے کی بس نہیں ملتی بعض اوقات غلط راستہ منتخب کرنے سے منزل گم بھی ہو جایا کرتی ہے اور اسفند میں کبھی کسی کی منزل نہیں ہو سکتا اسے یاد رکھا کرو۔"

"یاد رکھتا ہوں' بلکہ یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر ہر روز بھول جاتا ہوں پتا نہیں کیوں۔" یکدم اس کی آواز بھرا گئی وہ جانے لگا۔ بیدار بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کافی بنوائی ہے تو پی کر جاؤ یہ ایٹی کیٹس کے خلاف ہے۔" اسفندیار نے غور سے دیکھا پھر بولا۔

"پتا نہیں تمہیں کیا پرابلم ہے لیکن بخت مجھے یقین ہے تم سوائے محبت کے کچھ کہیں ہو۔" کافی کا کپ تھام کر دھیرے دھیرے کافی کے سپ لینے لگا۔

پھر اسفندیار کی ہائی روف میں بیٹھا تو مہرتاباں کے بنگلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے دل یکدم سے بالک ہٹ دکھانے لگا مگر اس نے نظریں ہٹا کر ہرے بھرے درختوں کی طرف دیکھا اسفندیار گنگناتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی خصوص رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی اور بیدار بخت کا دماغ راستوں کی طرح پیچیدہ ہو کر اپنے وجود اپنے ہونے کا معمہ حل کرنے میں مصروف تھا۔

--*

بظاہر ان دونوں کا کالج میں آج پہلا دن تھا مگر اعتماد شگفتگی ان کے ہر انداز سے چھلک رہی تھی۔ بڑی بڑی غزالی آنکھیں سرخ و سفید رنگت اس پر گلاب کی پنکھڑیوں سے کھلتے ہونٹوں پر ہمہ وقت کھیلتی مسکراہٹ انہیں ہزاروں میں یکتا بنا دیتی وہ پروفیسرز سے لے کر نئے پرانے تمام کلاس فیلوز کی نگاہوں کا مرکز تھے دونوں جڑواں تھے اس لیے میڈیکل کے فورتھ ایئر میں ایک ساتھ زیر تعلیم تھے گو کہ بہت ابالی تھی اس لیے پہلی کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد ہی کئی آنکھوں نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا مگر ان کی دوستی تین نوجوان ویل ڈریس ویل مینرڈ اور خوش ذوق لڑکوں اور ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ تذمیر مقامی تھا۔ نعیم اور شمائل عارف دونوں بھائی تھے رمشا اور تذمیر آپس میں فرسٹ کزن تھے یہ سب فورتھ ایئر کے اسٹوڈنٹ تھے۔ دائم اور گل رو نے اس تعلق کو بہت سراہا۔

گزرنے والا ہر دن ان کے اس تعلق کو بڑھاتا چلا گیا۔ آج کا یہ دن جب وہ [illegible] دائم' رمشا کے ساتھ گزارنے کے لیے تیار ہوئے تو دانیال اور مہرتاباں نے بخوشی انہیں اجازت دے دی وہ تیار ہو کر نکلے تو آسمان صاف تھا آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تو بس اچانک ہی صاف ستھرے آسمان پر یکدم بادل اس زور سے گھر کے آئے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ ہوائیں تیز ہو گئی تھیں۔

موسم تو آنکھ مچولی کھیلتا ہی ہے مگر آج ہی کیوں' آخر موسم کو کیا حق ہے ان کی چھٹی برباد کرنے کا۔" وہ دونوں ایک گھنٹے سے درخت کے نیچے جھنجلاہٹ سے یہی سوچ رہے تھے اب نہ آگے جا سکتے تھے نہ پیچھے لوٹ سکتے تھے وجہ وہی موٹر سائیکل تھی جس کا بہت کم استعمال ہوتا مگر جو ہمیشہ خراب ہی رہتی تھی۔

"آخر تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ تذمیر کے ہاں جاؤ اور اگر جانا ہی تھا تو بی ماں کی کار ہی لے لیتے آخر اس احمق موٹر سائیکل پر بھروسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" دائم جو موٹر سائیکل کے تاروں میں

سر الجھائے بیٹھا تھا۔ گل رو کی اس آواز پر چونکا پھر بولا۔
"یہ صرف تم دونوں لڑکیوں کی سازش ہے یہ مشورہ تمہارا ہی تھا کہ تذمیر کے گھر ون ڈش پارٹی رکھتے ہیں اب پتا نہیں کون کون پہنچا ہوگا وہاں اور کون کون ہماری طرح موسم کا مزا لے رہا ہوگا۔"
"خیر خیر ہماری طرح کوئی احمق نہیں کیونکہ وہ چاروں آفیسرز کالونی میں ایک ہی اسٹریٹ میں رہتے ہیں دوسرے ان کے پاس ذاتی گاڑیاں ہیں رہ گئے ہم تو مجھے لگتا ہے ہم اگلے چوبیس گھنٹوں میں بھی موسم تنہا ہی انجوائے کریں گے۔"
"لیکن یہ اہم اطلاع کس نے دی تمہیں؟" دائم مسلسل مصروف تھا مگر زبان ہاتھوں کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھی اس لیے قینچی کی طرح چل رہی تھی اور گل رو دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کسی امداد غیبی کی منتظر تھی اس لیے دائم کا سوال ہضم کر گئی مگر دائم موٹر سائیکل چھوڑ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا پھر درخت سے ٹیک لگا کر بولا۔
"بی بی تمہارا حساب کتاب بالکل درست ثابت ہوا، ہم واقعی اگلے چوبیس گھنٹے بس موسم ہی انجوائے کریں گے۔"
"نہیں، نہیں۔" گل رو نے چہرہ ڈھانپ کر بلند آواز میں رونے کی کوشش کی تو دائم نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر گلوگیر لہجے میں بولا۔
"جو خدا کو منظور ہو وہی ہوتا ہے، اس کے کاموں میں ہم کہاں دخل اندازی کر سکتے ہیں لٹل سسٹر صبر کرو صبر۔"
"مگر دائم وہ ہماری ون ڈش پارٹی کا کیا ہوگا۔" گل رو پہلے تو اداکاری کر رہی تھی مگر اب اسے واقعی رونا آگیا اتنی محنت سے کڑھائی گوشت تیار کیا تھا۔
"گل رو، یار کچھ سوچو کیا، کیا جائے۔" دائم کو دانیال عظمت کا غصہ ہولا رہا تھا مگر گل رو چھاجو برستی بارش میں کھڑی صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اس برستی بارش میں کمرے میں ہیٹر جلا کر اگر آئسکریم کھائی جائے تو کیسا رہے۔
اس نے فوراً ہی اپنی یہ خواہش اسے بتا بھی دی۔
"ایک دم سر سسٹر اس طرح سوچتی رہیں تو مجھے لگتا ہے ہمیں گھر کے بجائے پاگل خانے جانا پڑے گا اتنا چھاجو مینہ اور آئسکریم کی فرمائش اٹ از ٹو مچ یار۔" اس نے شوز کی ٹو سے درخت کو ٹھوکر ماری پھر یکدم بولا۔
"گل مجھے سڑک کے بائیں طرف کچھ روشنی دکھائی دے رہی ہے میں ابھی آیا تم یہیں رہنا۔" گل رو نے سر ہلایا پھر پانچ منٹ بعد آیا تو اس کے ساتھ ایک شخص فوجی یونیفارم میں ملبوس کھڑا تھا۔
"گل یہ کیپٹن بیدار بخت ہیں ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے پلک جھپکائے بنا اس کو ٹھورا دائم تو ہر ایک پر یقین کر لیتا تھا مگر گل رو اس معاملے میں بہت سخت تھی اس لیے نظروں میں تولتی رہی کیپٹن بیدار بخت نے اس کی آنکھوں میں انکار پڑھا تو بولا۔
"تم دونوں مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو، چلو میں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔"
"مگر آپ کو کیا پتا کہ ہمارا گھر کہاں ہے؟" گل رو نے تیزی سے کہا وہ ذرا سا مسکرایا پھر بولا۔
"مہر تاباں بی بی کے بچوں کو کون نہیں جانتا آپ مجھ پر اعتبار کریں۔"
"گل اس وقت اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں چلو بارش کم ہونے کی بجائے تیز ہو رہی ہے۔" گل رو نے لحہ بھر لگایا فیصلہ کرنے میں پھر تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ بیدار بخت نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
ان کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر اس نے سوچا آج تو وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل کر ہی لے لیکن پھر رک گیا اور انہیں اتار کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔
کپڑے بدل کر وہ اپنے کمرے کے باہر ٹیرس پر آکھڑا ہوا سامنے کے بنگلے کی اوپری منزل کا منظر بہت واضح تھا صبح والا سنجیدہ نوجوان جو کہ دانیال عظمت تھا دائم اور گل رو کو سخت سست سنا رہا تھا۔ مہر تاباں سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھیں گلاس وال سے ڈرائنگ روم کا

منظر بخوبی دیکھا جا سکتا تھا اس لیے وہ دور ہی سے لطف لیتا رہا پھر ہنستا ہوا مڑا ہی تھا کہ اسفندیار کو سامنے پا کر پھر سے سنجیدہ ہو گیا چہرے کی تمام لکیریں پھر سے سپاٹ تھیں بڑی بڑی سبز آنکھوں میں وہی بے مہری اور بے گانگی تھی۔
"کیوں جناب، ٹیرس سے آخر کس کو جھانکا جا رہا تھا وہ بھی اتنی بارش میں۔" اسفندیار اس کے تاثرات سے بے پروا شرارت سے آنکھیں گھماتے ہوئے بولا تو بیدار بخت برا سا منہ بنا کر بیڈ پر آبیٹھا پھر نہایت درشت لہجے میں بولا۔
"اسفند تمہیں میری انوسٹی گیشن کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔"
"بے شمار، بائی دی وے یہ آپ کا شاندار موڈ مزید شاندار کیوں ہوا؟"
"تمہاری صورت دیکھ کر، دیمک کی طرح چمٹ گئے ہو مجھ سے۔" اس نے سگریٹ سلگا لیا تو اسفند سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا پھر اسی طرح خوشگواریت سے ہنسا جیسے بیدار بخت نے اس کے کسی کام کو سراہا ہو پھر شوخی سے بولا۔
"سچ پوچھو تو مجھے تمہارا یہی لہجہ اٹریکٹ کرتا ہے، یہاں انسانوں سے تو سب گزارا کر لیتے ہیں کسی کو تو پتھروں سے بھی سر پھوڑنا چاہیے نا، کیوں مائی ہارڈ اسٹون آئی ایم رائٹ۔"
"یس یو رائٹ، مگر یہاں تمہاری ان باتوں کا کوئی اثر نہیں یہ جو سینہ ہے نا یہاں صرف پتھر ہے دل نہیں نہ تمہاری آنکھوں میں مجھے کچھ اٹریکشن محسوس ہوتی ہے نہ تمہاری محبت مجھ میں کوئی نغمہ چھیڑتی ہے، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ سچا عشق انسان صرف خود سے کرتا ہے باقی یہ ساری محبتیں تو ہماری ضرورتیں اور غرض ہیں جہاں ہماری غرض پوری ہوئی ہمیں پھر دوستوں اور محبت کرنے والوں کے نام بھی یاد نہیں رہتے۔
ہم سب دیکھنے میں انسان ہی ہیں، مگر اسفند کیا تم جانتے ہو ہم انسانوں میں اکثر لوگ اس ظاہری ملبوس کے اندر گدھ اور بھیڑیئے ہوتے ہیں اور اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت بھنبھوڑتے اور ہڈیاں چباتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہوں گے وہ لوگ جو حقیقت میں بھی انسان اور انسانیت کا مطلب جانتے ہوں گے۔"
اسفندیار نے اس کے لہجے کا سرد پن محسوس کیا تو کہا۔ "تمہاری اتنی تلخی کی یقیناً کوئی وجہ ہوگی کیونکہ میں جانتا ہوں تم صرف خود اذیتی اور خود پسندی میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتے تمہاری فراخ پیشانی اور روشن آنکھیں تمہارے دھڑکتے دل کی گواہ ہیں، اس لیے بخت مجھے تمہاری کوئی بات کبھی بری نہیں لگتی مگر یار ہو سکے تو اپنی اس تلخی کو خود سے کھرچ کر پھینک دو کیونکہ تم صرف محبت ہو، محبت کے لیے بنے ہو نفرت کرنا تمہیں سوٹ نہیں کرتا۔"
بیدار بخت نے کوئی جواب نہ دیا سگریٹ کے مرغولے بناتا بگاڑتا رہا ان مرغولوں میں کتنی ہی تصویریں بنتی اور بگڑتی جا رہی تھی اور اس کی آنکھیں لایعنی لکیروں پر ہی جمی ہوئی تھیں مگر دھوئیں کی تحریر کب تابندہ و جاوید رہی ہے۔ جواب رہتی سومٹ گئی سیکنڈوں میں، بیدار بخت بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اسفندیار تمام توجہ اس پر مرکوز کیے کرسی پر براجمان تھا۔ اس کا ارادہ اس وقت ٹلنے کا نہ تھا جبکہ بیدار بخت کا دل چاہ رہا تھا وہ جلد سے جلد اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔
"تم کسی طرح سے میرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔" چین اسموکرز کی طرح سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے بھنا کر کہا مگر اس پر اثر قطعی نہ تھا ڈھٹائی سے بولا۔
"مجھے زندگی میں سگریٹ نوشی اور بیوی دونوں سے چڑ تھی مگر بخت تمہاری بدولت دیکھ لو اب میں سگریٹ نوشی کا بھی کس قدر ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہوں امید واثق ہے تمہاری بدولت مجھے بیوی کی لایعنی حرکتیں برداشت کرنے کی بھی ٹریننگ ہو جائے گی دن بہ دن میرا ضبط اور قوت برداشت امپرو کر رہا ہے آئی لائک اٹ، پلیز کیپ اٹ اپ۔" جواب کچھ ایسا نپا تلا تھا کہ

بیدار بخت محوں کے لیے تو لاجواب ہی ہو گیا مگر بہت دیر تک وہ کسی جذبے کے زیر اثر نہیں رہ سکتا تھا اس لیے تیزی سے اٹھا اسفندیار کچھ سمجھ ہی نہ پایا۔

"تم ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے چلے جاؤ ورنہ۔"

"ورنہ کیا سن لو' میں قطعاً" جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

"اس کا مطلب ہے' مجھے اپنے ملازمین کو بلوانا پڑے گا۔" ترش روئی سے اس نے اپنا ارادہ بتایا تو شوخ سے اسفندیار کا لہجہ اور چہرہ دونوں ہی تاریک ہو گئے۔

"آر یو سیریس بخت۔"

"یس اکین آئی ایم سیریس' پلیز گو ویئر اینڈ کم ناٹ اگین۔" اس نے غصے سے کہا اسفندیار کے سینے میں کوئی لہر اٹھی ہجر کی اور وہ صوفے پر ہاتھ مارتا اٹھ کھڑا ہوا جاتے جاتے دروازے سے پلٹا پھر بولا۔

"شہر دل میں رہنے والے شہر دل کو برباد تو نہیں کرتے مگر میں کیا کہوں' تم نے آج مجھے کس قدر ڈس ہارٹ کیا ہے لیکن میرا تم سے وعدہ ہے اب تمہیں واقعی اسفندیار کی صورت کہیں دکھائی نہیں دے گی' میں جا رہا ہوں واقعی بخت اب میں کبھی نہیں لوٹوں گا اس گھر میں۔"

وہ تیزی سے باہر نکلا بارش پھر سے شروع ہو گئی تھی اس لیے وہ بھیگتا چلا گیا مگر وہ ہر طرف سے بے پروا تھا اس لیے اس کی کار طوفانی رفتار سے گیٹ سے نکلی بے ساختہ اس نے ٹیرس سے جھک کر دیکھا اور دل میں دعا کی "خدا ہر حادثے سے محفوظ رکھے تمہیں۔"

اور اس کی دعا پر موسم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بیدار بخت آفریدی کیا دل ٹوٹنے سے بڑا بھی کہیں کوئی حادثہ ہوا ہے باقی حادثے تو ایک بار زندگی میں آتے ہیں اور بہت کچھ لوٹ لے جاتے ہیں مگر دل ٹوٹ جائے تو روح بددعا بن کر بھٹکتی پھرتی ہے الحمرا کے محلات میں سالخوردہ کھنڈرات اور ٹوٹے پھوٹے معبد دل میں' دل ٹوٹنے کا حادثہ بڑا جانکاہ ہوتا ہے۔"

بیدار بخت نے گھبرا کر برستی بارش کی طرف دیکھا۔ سوچیں پریشان کرنے لگیں تو وہ بدحواس ہو کر اندر کی طرف لوٹا ہی تھا کہ تمام لائٹز آف ہو گئیں۔

"یہ کیا آفت آ گئی۔" وہ چلایا تو ملازم بڑی سی کینڈل روشن کر لایا۔ وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھا رہا آنکھیں بند کیں تو اردگرد نسوانی چیخوں کا سیلاب امنڈ آیا جیسے بارش کے قطروں کے ساتھ یہ چیخیں بھی اس کے اردگرد برس رہی تھیں۔ اس نے چیخوں سے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں کمرے میں اتنا سکوت تھا کہ دل کی دھڑکنیں بھی صاف سنی جا سکتی تھیں مگر اسے ان چیخوں کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا وہ شور سے گھبرا گیا تو وارڈ روب کھول کر ایک بڑا سا البم نکال لیا گھنے لانبے بالوں کی ناگن سی دو چوٹیاں بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں' ان میں بسنے والا سبز رنگ دکھ کی طرح اس میں پھیلتا چلا گیا۔

"لالہ......" اس نے تصویر کو چھوا تو لگا تصویر بھی رو پڑی ہو اور وہ ان آنسوؤں میں بھیگتا چلا گیا۔

"لالہ اب میرے بغیر کیسے رہ رہی ہو گی تمہیں تو تنہا رہنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ میرا چہرہ دیکھے بغیر تو تمہاری صبح نہیں ہوتی تھی پھر یہ شام کیوں کر گئیں لالہ' دیکھو تو کس قدر بدل گیا ہوں پہلے میں کیسا خوش امید ہوا کرتا تھا مگر اب میری روح اندر سے مر گئی ہے آج میں نے اسفندیار کے ساتھ بہت برا کیا نا' لالہ کہاں کھو گئیں تم کیوں بچھڑ گئیں مجھ سے لالہ اومائی سوئٹ بے بی۔" وہ تصویر پر لب رکھ کر سسک پڑا کتنی ہی دیر اسی طرح روتا رہا۔ البم پھر سے ہاتھوں میں لے کر تصویریں الٹنے لگا۔

زندہ تصویریں جو بظاہر اپنے پس منظر کے ساتھ مردہ تھیں مگر جن کی یادیں آنکھوں کے دامن میں ابھی تک خیمہ گاڑے آگ جلائے بیٹھی روح کا روم روم جھلسا رہی تھیں پھر سے دھڑکنے لگیں ہر تصویر میں' خوب صورت لڑکی کے ساتھ ایک خوبرو اسمارٹ سا نوجوان تھا۔ کسی تصویر میں وہی خوبرو نوجوان ایک بچے کو کاندھے پر بٹھائے کھڑا تھا اس عمر کا ایک بچہ اس

نوجوان کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا اور وہ خوب صورت لڑکی ان دونوں بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ کہیں وہ ایک پہاڑ کے پاس کھڑے تھے وہ خوب صورت نوجوان لڑکی اور دو بچے اور گڑیا کی طرح سہمی ایک لڑکی تھی' ایک اور تصویر میں وہ بچی اس نوجوان کی بانہوں میں تھی وہ نوجوان گھٹنے زمین پر ٹکائے بچی کو سینے سے لگائے شاداں و فرحاں تھا بچی اس نوجوان کی پیشانی چوم رہی تھی۔

"لالہ...... عظمی بھیا۔" وہ پھر سے سسک پڑا پھر ایک تصویر پر نظر پڑی کفن میں لپٹی موت کی طرح جاں گسل تھی وہی خوبرو نوجوان گہوارے میں چپ چاپ لیٹا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اب بھی لہریں لے رہی تھی۔ وہ دونوں بچے اور چھوٹی بچی گہوارے سے چمٹے کھڑے تھے۔

زندگی ایک بار روٹھ کر دوبارہ نہیں ملتی سو اس وقت بھی نہیں مانی اور اس کی زندگی تنہائیوں کی نظر ہو گئی وقت نے آہستہ آہستہ جو خوشی دی تھی وہی سب خراج کے نام پر یکمشت چھین لی اور وہ احتجاج بھی نہ کر سکا بھلا دس برس کا بچہ کیا کر سکتا تھا دس برس کے معصوم و ناتواں جسم کو تو وقت یوں ہی ٹھوکر لگا سکتا تھا سوا سے بھی ہلکی سی ٹھوکر لگائی تھی اس نے مگر وہ پرہجوم جمگھٹے میں منہ کے بل ایک بار گرا تو اٹھ ہی نہ سکا تھا اب کسی قابل ہوا بھی تھا تو تمام لمحوں کی تلخی اور اپنی تنہائی کا ہر ایک سے بدلہ لے رہا تھا۔ زندگی اسی رفتار سے بڑھتی جا رہی تھی اور وہ خود پر زندگی حرام کیے بیٹھا تھا اور مگن تھا۔

"سر کافی لے آؤں۔" ملازم کی آواز پر وہ چونکا تیزی سے اس نے البم کو تکیے کے نیچے رکھا پھر کرخت لہجے میں بولا۔

"رشید کتنی بار کہا ہے کہ دروازہ ناک کر کے آیا کرو۔"

"غلطی ہو گئی سر معافی چاہتا ہوں۔" وہ واپس گیا دروازہ ناک کیا تو بیدار بخت نے اندر آنے کو کہا کافی کا پوچھا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ رشید جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے باہر نکل گیا تھا اس کے جاتے ہی وہ اٹھا البم کو پھر کپڑوں کے نیچے رکھ کر قدم واش روم کی طرف بڑھا دیے منہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو کافی اور لائٹ ایک ساتھ آئی' رشید نے کافی تپائی پر رکھ دی پھونک مار کر کینڈل بجھا دی۔

اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگا کر ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن کر دیا۔

"ناشتا کمرے میں ہی لے آؤ میں جب تک تیار ہوتا ہوں۔"

"جی بہت بہتر سر۔" وہ پریس شدہ یونیفارم رکھ کر باہر چلا گیا بیدار بخت نے یونیفارم اٹھایا باتھ روم میں گھس گیا پھر ڈریس اپ ہو کر نکلا تو ملازم کو ٹیبل پر ناشتا سرو کرتے پایا۔

بیدار بخت نے بظاہر ناشتا بڑے اطمینان سے کیا مگر ہر لمحے اسفندیار کی ہیلو ہیلو طوفان مچاتی آواز کا انتظار کرتا رہا مگر وقت گزرتا چلا گیا وہ واقعی نہیں آیا تھا۔

"ہوں تو ناراض ہو گیا۔" اس نے بے چینی لاپروائی کے ملے جلے تاثرات سے سوچا پھر کپ لے کر ٹیرس پر آ گیا۔ سامنے کا بنگلہ نظروں میں آیا تو کل صبح کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ تیزی سے نیچے آیا موٹر سائیکل ابھی تک پورچ میں کھڑی تھی جو اس نے نوکر سے منگوالی تھی۔ وہ بائک لیے بنگلے کے گیٹ پر رک گیا بیل دی۔ چوکیدار سامنے آ کھڑا ہوا تو کتنی دیر سوچتا رہا۔

"مہرتاباں بی بی سے مل سکتا ہوں۔"

"جی مگر وہ تو اس وقت ڈیوٹی پر جانے کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔"

"ہوں اچھا سنو دائم سے کہو کیپٹن بیدار بخت ملنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا جی...... افوہ تو وہ آپ ہیں جناب' سب ہی آپ کے منتظر ہیں ڈرائنگ روم میں چلیں۔" اور بیدار بخت ملازم کے ساتھ پروقار قدموں سے چلتا ہوا

ڈرائنگ روم کی سمت بڑھتا چلا گیا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو مہرتاباں اور اسی سوبر سے نوجوان کو منتظر پایا بیدار بخت کو دیکھا تو وہ نوجوان نہایت گرمجوشی سے بغل گیر ہوگیا۔

"مجھے دانیال کہتے ہیں' کل آپ نے جس طرح ان نٹ ڈیولز کی مدد کی' اس کا بہت شکریہ' بی بی ماں اور مجھے کل ہی سے آپ کا انتظار تھا۔"

"ایکسیلنٹ' مگر صرف بھائی ہی نہیں' ہم دونوں بھی بڑی شدت سے منتظر تھے آپ کے بائی گاڈ آپ پہلی نظر میں ہمیں دانی بھیا جسے لگے تھے ویسے ہی ٹال' اسمارٹ اور سوبر۔" دائم اور گل رو اندر داخل ہوئے گل رو تو دانیال کے قریب بیٹھ گئی جبکہ دائم ہاتھ ملانے کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتا رہا۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہیں یہ دائم۔"

"گل بیٹا آپ کچن میں جائیے' دیکھیے ہاشم نے کافی تیار کی یا نہیں۔" مہرتاباں نے درمیان ہی سے گل رو کو ٹوک دیا تو وہ منہ بسورتی ہوئی آگے بڑھ گئی بیدار بخت کی نگاہ نے مہرتاباں کی آنکھوں میں اپنے لیے کھنچاؤ محسوس کیا' دائم نے مہرتاباں کا موڈ بھانپ کر ماحول بدلنے کو بے تکلفی سے پوچھا۔

"بخت بھائی آپ آرمی کے کس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔" بیدار بخت نے مہرتاباں کے چہرے کی ناگواری نوٹ کرلی تھی اس لیے دھیمے لہجے میں بولا۔

"آرمی میں انجینئر ہوں' اور تمہیں تو پتا ہے انجینئر وہ شخص ہوتا ہے جو جنگ میں سب سے پہلے میدان میں اترتا اور آخر میں واپس لوٹتا ہے' رہا امن کا دور تو ٹیبل ورک' فیلڈ ورک' ٹیکنیکل ورک کے علاوہ کیا ہی کیا جاسکتا ہے' سو کرتے ہیں۔" اس نے ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا ملازم ٹرالی دھکیلتا اندر آرہا تھا۔

"اوہو بی بی ماں' آپ نے تو بہت تکلف کرلیا۔" مہرتاباں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بخت بھائی بی بی ماں کہہ کر تو آپ نے پرخلوص رشتے کی ایک بنیاد ڈال دی' اس لیے آج سے آپ کی میری دوستی پکی۔"

"کیا واقعی۔" اس نے مہرتاباں اور دانیال کی طرف دیکھا مہرتاباں کی آنکھوں میں سکوت تھا البتہ دانیال کی آنکھوں میں مسکراہٹ اور دائم کی طرح کی محبت تھی بیدار بخت کے لیے یہی بہت تھا۔ سو اس نے اس محبت کو قبول کرنے میں لمحہ نہیں لگایا۔ جب وہ وہاں سے ان لوگوں سے اجازت لے کر اٹھا تو بے حد ہلکا پھلکا تھا دانیال نے الوداعی ہاتھ ملانے کی کوشش کی تو اس نے اسے بے تکلفی سے کھینچ کر سینے سے لگالیا پھر بولا۔

"بقول دائم کہ' اس کی میری دوستی پکی کیا تم مجھ سے دوستی کرنا چاہو گے۔"

"کیوں نہیں مجھے خوشی ہوگی آپ سے تعلق قائم کرکے۔"

"ٹھیک ہے' مگر دانیال تم مجھ سے بہت زیادہ چھوٹے نہیں اس لیے آپ جناب نہیں چلے گا۔" دانیال ہنسنے لگا۔ دائم نے سینے سے لگ کر بے تکلفی کی انتہا کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ ہی لے ڈالا۔ پھر پھاٹک سے باہر آکر اسے خدا حافظ کہا۔ بیدار بخت نے ریڈ شیراڈ اسٹارٹ کی پھر ہاتھ ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

آج تمام راستے اس کے ہونٹوں پر ایک شوخ سا گیت تھا زندگی سے بھرپور دل کی طرح دھڑکتا ہوا اس لیے ہر ساعت اسے اسفندیار کی کمی محسوس ہوئی اس کے اندر سے خواہش ابھری کاش یہ خوشی وہ اس کے ساتھ شیئر کرے۔

"مگر وہ تو ناراض ہے مجھ سے۔" دماغ نے کہا تو دل نے سمجھایا۔ "اسفندیار جیسے بندوں کو منانا کیا مشکل بس گڈ اسمائیلنگ اور کان پکڑنے کی دیر ہے وہ دوسرے ہی لمحے مان جائے گا۔" یہ سب کیا اتنا ہی آسان ہوگا' میری ازلی انا خودپسندی تو لفٹ کے بورڈ کا کیا ہوگا آخر کیا سوچیں گے سب سے بڑھ کر خود اسفندیار کیا کہے گا کہ بیدار بخت آفریدی تم اتنے بودے نکلے اندر سے۔" دل و دماغ میں طرح طرح کے سوال ابھرتے رہے پھر وہ آرمی ایریے میں داخل ہوا تو

تمام تر بے اطمینانی کے باوجود اس کے چہرے پر سپاٹ پن اور سنجیدگی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ وہ کار ایک جگہ پارک کرکے اپنے سامنے سے گزرنے والے جونیئرز کے سلوٹ کا جواب دیتا اپنے کمرے میں آبیٹھا سامنے فائل کھول لی۔ ایک طرف بڑی سی میز پر ایک پل کا نقشہ پھیلا ہوا تھا یہ پل آرمی سویلینز کے ساتھ رضاکارانہ طور پر بنوا رہی تھی اور اس کی تمام تر ذمہ داری بیدار بخت کے کاندھوں پر تھی۔ اس لیے وہ تازہ ترین پروگریس کے جاننے کے لیے فائل پڑھنے لگا مگر اس کی توجہ دروازے کی طرف ہی تھی لگتا تھا۔ اسفندیار ابھی مخصوص شوخ آواز میں شور مچاتا اندر داخل ہوجائے گا مگر اس نے نہ آنا تھا نہ آیا بیدار بخت اس کے انتظار سے بور ہوگیا تو ڈرائیور کے ساتھ جیپ میں زیر تعمیر پل دیکھنے چل دیا۔

دفتر لوٹا تو راہداری میں گزرتے ہوئے اسفندیار کے کمرے پر نظر پڑی دل چاہا اندر داخل ہوکر دھونس جما کر کہے۔

"کیوں بھئی اتنا غصہ آگیا' ہمیشہ تو ہماری سنتے آرہے تھے کل بھی سن کر برداشت کرلیتے تو کیا ہوتا۔" مگر وہ سوچنے کے باوجود اس کے کمرے میں داخل نہ ہوسکا پھر سامنے سے گزر ہی رہا تھا کہ لیفٹیننٹ اشرف عثمانی پر نظر پڑی وہ اپنی کیپ درست کرتے اس کے سامنے آرہے تھے۔

"کیا آپ بتاسکتے ہیں' کہ یہ اپنے کیپٹن اسفندیار آج کیوں نہیں آئے دفتر۔" بیدار بخت نے اس کے نہ آنے کی اطلاع پر حیرت دل میں چھپالی پھر کندھے اچکا کر بولا۔

"بھئی اشرف وہ تمہاری طرح میرا کولیگ ضرور ہے' لیکن میں اس کے اتنے قریب نہیں ہوں کہ وہ مجھے اپنے آنے جانے کے ٹائم ٹیبل سے بھی آگاہ رکھے۔" لیفٹیننٹ اشرف عثمانی نے منہ کھول کر حیرت سے اسے اس طرح دیکھا کہ وہ اندر ہی اندر شرمندہ ہوگیا پھر گلا کھنکار کر اپنی بات کا اثر زائل کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اشرف نے کہا۔

"میرے خیال میں تو یہاں سب کا یہی خیال ہے

اسفندیار صاحب ہی صرف آپ کے بہت قریب ہیں ہم سب تو انہیں آپ کا کولیگ نہیں دوست سمجھتے ہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اس معاملے میں' انسان کی سوچ پر تو پابندی نہیں لگا سکتا نا لیفٹیننٹ اشرف عثمانی۔"

"جی ہاں یہ تو ہے۔" وہ سلوٹ کرکے آگے راہداری میں گم ہوگئے تو وہ واپس اپنے کمرے میں گیا کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ میز پر رکھی اسفندیار کی تصویر پر اس کی نظر پڑ گئی یہ تصویر اسفندیار نے خود اس کے ٹیبل پر لا رکھی تھی یہ کہہ کر کہ

"جب میں تمہارے سامنے نہ ہوں' تو تم میری تصویر سے توانائی لیتے رہنا" اس نے فریم ہاتھوں میں لے کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اس کی اداس آنکھیں مسکرانے لگیں یا شاید اسے محسوس ہوا بہرحال بات کچھ بھی ہو اس وقت اسے اسفندیار کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کو اس کے ساتھ بانٹنا چاہتا تھا۔

دیکھا جاتا تو یہ سراسر خود غرضی تھی کہ وہ صرف اپنی خوشیاں اپنے خواب سنانے کے لیے کسی سامع کو ڈھونڈ رہا تھا اس پر دوست کا لیبل چسپاں کر رہا تھا مگر بیدار بخت اس وقت ہر طرح کی چیٹنگ کو جائز سمجھ رہا تھا اس لیے اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا دل میں خیال آیا کہ اسے اسفندیار کا نمبر یاد نہ ہوگا مگر انگلیاں غیر ارادی طور پر نمبر پریس کرتی گئیں تو پتا چلا کہ وہ نہ چاہنے کے باوجود اسفندیار کی ایک ایک بات یاد رکھتا ہے۔ دوسری طرف بیل ہو رہی تھی۔ مگر کسی نے فون نہ اٹھایا پھر کچھ دیر بعد اس کے ملازم نے ریسیو کیا۔

"اسفندیار سے بات کرا دیجیے۔"

"کیا مطلب بیمار ہیں' مگر کل تو ٹھیک تھے' اچھا منیجے میں آتا ہوں ان سے ملنے لیکن اگر سو رہے ہیں تو جگائیے گا مت' خدا حافظ۔" کہہ کر اس نے ریسیور رکھا اور بریف کیس میں چیزیں رکھنے لگا پھر باہر آیا تو شیراڈ آرمی ایریے سے نکلتے ہی ہوا سے باتیں کر رہی تھی وہ اسفندیار کو ایک نظر دیکھنے کو بے قرار تھا اس کی بیماری کی اطلاع نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔

بیدار بخت نے اس کی ہزار منت سماجت پر بھی اس کے گھر آنے کی کوشش نہیں کی تھی مگر آج داخلی دروازے سے داخل ہوا تھا تو لگ رہا تھا جیسے چپے چپے پر اسفندیار کا دل دھڑک رہا ہو یہاں سے وہاں تک قطار میں لگے منی پلانٹز میں گلاب' موتیے' بیلا کے پھول قدموں میں بچھ بچھ جانے کو بے قرار تھے۔

"صاحب کا یہ کمرا ہے' میں باہر ہوں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیل بجا دیجیے گا میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

اس نے سحر زدہ انداز میں سر ہلایا مگر اندر داخل ہونے سے پہلے بیماری کی وجہ پوچھی تو ملازم کی آواز بھرا گئی۔

"پتا نہیں کس نے ہمارے صاحب جیسے پیارے بندے کا دل توڑ دیا رات جب گھر میں آئے تو بہت دلگرفتہ تھے کتنی دیر تک ایسے ہی بیٹھے رہے پھر باہر برآمدے میں نکل آئے جتنی دیر بارش برستی رہی صاحب بھی بھیگتے رہے میں اور باورچی کرم دین زبردستی انہیں کمرے میں لانے میں کامیاب ہوئے وگرنہ جی وہ تو صبح تک یوں ہی بھیگتے رہتے ٹھنڈی ہوا بارش کی وجہ سے صاحب کو نمونیہ کی شکایت ہوگئی' ڈاکٹر نے دوائیاں دی ہیں مگر صاحب بہت مشکل سے دوا کھانے پر راضی ہوتے ہیں۔"

"اچھا مگر اب وہ ضد نہیں کرے گا۔" وہ اندر داخل ہوگیا کمرے کے وسط میں وہ بیڈ پر کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہا تھا وہ آہستگی سے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور جھک کر اسفند کی پیشانی پر بوسہ لیا مگر بہت ہی مدھم انداز میں کہ نیند میں خلل نہ پڑے مگر اسفندیار مدھم لمس سے ہی جاگ گیا آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو اس نے پوچھا۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری۔" اسفندیار نے ہولے سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"ان ہونٹوں سے ادا ہونے والا ہر لفظ بائی گاڈ دل میں مرہم کی طرح اترتا چلا گیا ہے اندر تک ہر تشنگی سیراب ہوگئی اتنی شدت سے کہ اگر اب موت کا فیصلہ بھی ہو چکا تھا تو مجھے مرنے میں عار نہیں۔" وہ کہتا چلا

گیا اور بیدار بخت ساکت دیکھتا رہ گیا پھر آہستگی سے جواب میں بولا۔

"کیا ملے گا آخر اس سنگلاخ چٹان سے تمہیں' جس سے جھرنے بھی نہیں بہتے جس میں پہاڑی گل لالہ تو کیا خود رو گھاس بھی نہیں اگتی' اسفند تم شوریدہ سمندر کی طرح میرے وجود سے ٹکراتے ہو کیا تم چاہتے ہو کہ میں ریزہ ریزہ ہو جاؤں میرے گرد جو جال ہیں استقامت حوصلے عزم کے یا شاید شکست کے تم چاہتے ہو کہ وہ سب تار عنکبوت کی طرح لمحہ بھر میں ٹوٹ جائیں۔

شاید تم یہ سمجھتے ہو مجھے محبت کرنا آتی ہی نہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ محبت کو میں نے اپنے خفتہ جوہر کی طرح اپنے ترکش میں آخری تیر کی مانند محفوظ رکھا ہے آخر اثاثے کی طرح کہ جب میں زندگی کی جنگ میں شکست خوردہ ہو جاؤں تو محبت کا یہ زاد راہ میرے وجود کو تھام لے محبت کا دیا روح میں چھپا رکھا ہے میں نے تاکہ جب میں اندھیروں میں ڈوب جاؤں یا ڈوبنے لگوں تو یہ محبت میرے لیے دہلیز پر رکھے دیئے کی طرح اپنے کو بلند کرے مجھے راہ دکھائے۔

اسفند میں اہرام مصر میں بھٹکتی روحوں کی طرح نہیں رہنا چاہتا جو ہزاروں سال سے اپنے فانی جسم میں داخل ہونے کو بے قرار مچل رہی ہیں' مگر جنہیں پھر سے دل میں دھڑکنے' جسم میں جانے کا راستہ بھول گیا بائی گاڈ میں صرف بھٹکنے سے ڈرتا ہوں اسفند۔"

اسفند اٹھ کر بیٹھ گیا تکیوں کے سہارے پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں خود کو تمہارا دوست کہتا ہوں اس لیے نہیں چاہوں گا کہ تم چٹان کے بعد زروں میں بکھرو' مگر بخت میں اس کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ محبت کبھی چٹان کو ذرہ بنا کر ہوا کے سپرد نہیں کرتی بس چٹان کے اندر دفن خزانوں کو باہر لا پھینکتی ہے تاکہ ہر کس و ناکس فیضیاب ہو' محبت کی چٹان سے خود جھرنے پھوٹتے ہیں محبت تو گل لالہ ہوتی ہے محبت شکست نہیں فتح ہوتی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ باقی جنگوں میں دل روح ہی نہیں سوچیں اور زندگیاں تک بزور طاقت مفتوح بنائی جاتی ہیں جبکہ محبت کہیں فتح کا علم نہیں گاڑتی مگر پھر بھی نامحسوس طور پر مسخر کر دیتی ہے' دل روح میں حکمراں بن جاتی ہے محبت آنسو نہیں مسکراہٹ کے پھول کھلاتی ہے قصور تمہارا اتنا ہے کہ تم محبت کو بھی حاکم کی طرح ٹریٹ کرتے ہو۔

تم صرف ڈرتے ہو بخت جھک جانے سے ان کو ٹھیس لگ جانے سے وگرنہ تو محبت تمہارے روم روم سے کرنوں کی طرح انعکاس کرتی ہے۔"

اسفندیار خاموش ہوا تو بیدار بخت آفریدی کو لگا جیسے کسی نے لمحہ بھر میں اس کے جذبوں کی انجیو گرافی کر دی ہو' اس کی شخصیت کے تمام چھپے راز افشا کر دیے ہوں اسفندیار نے اس کو پزل دیکھا تو بڑے سبھاؤ سے بولا۔

"افسوس ہم میں تو اتنا دم ختم نہیں تھا تمہیں بلاتے مگر دیکھ لو ہماری بیماری کتنی طاقتور ثابت ہوئی' کہ کچے دھاگے سے سرکار بندھے چلے آئے۔"

"تمہیں خوش فہمیوں میں جیتے رہنے کی عادت ہے تو رہو میں تو یوں ہی چلا آیا تھا کولیگ سمجھ کر' پھر یہاں کچھ کام بھی تھا سوچا آہی گیا ہوں تو تمہاری خیریت بھی معلوم کرتا چلوں ورنہ تم کہاں اور ہماری عدیم الفرصتی کہاں۔"

اس نے رسالہ اٹھا لیا تو اسفندیار نے اس کو مخاطب کیا۔

"خیریت کونسا ویک پوائنٹ آگیا ہے' جسے چھپانے کے لیے رسالے کی آڑ لی جا رہی ہے' بتاؤ بائی گاڈ کسی سے نہ کہوں گا ویسے آنکھوں میں موجود زندگی بتاتی ہے کس جان زندگی سے ملنے کا شرف حاصل ہوگیا ہے حضرت کو۔" بیدار بخت نے گھور کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"آج واقعی میں نے زندگی کی طرف پہلا قدم بڑھایا ہے اپنی جان زندگی سے آگاہ اس وقت کروں گا جب وہ میری دسترس میں ہوں گی یا پھر مجھ سے کھونے لگیں گی۔"

"منفی رخ پر مت سوچا کرو' وہ تمہیں یقیناً ملیں گی ویسے یہ ہیں کون' جنہیں اتنے ادب و احترام سے

مخاطب کیا جا رہا ہے۔"

"بس ہیں ایک بہت مقدس قابل احترام، کبھی بتاؤں گا پھر تفصیل سے۔" ملازم چائے کے لوازمات لیے چلا آیا۔

بیدار بخت مزے دار چائے سے لطف اندوز ہونے کے بعد اٹھ گیا۔

——*

چند چیزوں کی خریداری کے لیے شاپنگ سینٹر جانا پڑ گیا وہ اپنے لیے مختلف چیزیں خرید رہا تھا کہ اچانک ایک چہرے کو دیکھ کر اس کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا اس نے فوراً" چہرہ موڑ لینا چاہا مبادا کہیں وہ بھری بہار کی صبح جیسا دمکتا چہرہ بھی اسے نہ دیکھ لے لیکن اس کی ساری پلاننگ دھری رہ گئی کیوں وہ صبیح چہرہ قریب آ گیا تھا۔

"ارے بخت تم یہاں۔" اس نے کہا تو نا چاہنے کے باوجود اسے رکنا پڑا۔

"کیوں بھئی یہ چپکے چپکے کیوں جا رہے تھے یقیناً" تم مجھے دیکھ کر منہ موڑ رہے تھے نا۔"

"ہو سکتا ہے یا شاید نہیں۔"

"ہو سکتا ہے یا شاید نہیں، نہیں بلکہ سو فیصد یہی بات ہے مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانے گا ویسے بخت اتنے قریبی رشتوں سے منہ موڑے رکھنا کہاں کا انصاف ہے ایک شہر میں رہ کر بھی سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی ہے۔ پتا ہے سب تمہیں بہت مس کرتے ہیں مگر ڈرتے ہیں تمہارے مزاج سے۔"

"تم نہیں ڈرتیں۔" اس نے بالکل غیر متوقع طور پر سنجیدگی سے پوچھ لیا تو وہ ہنس پڑی نقرئی گھنٹیوں کی آواز ارد گرد بکھر گئی وہ مسحور ہونے ہی لگا تھا کہ اس نے دایاں ہاتھ سامنے پھیلا دیا پھر جذب سے بولی۔

"تم جس رشتے سے منکر ہو وہی رشتہ میری زندگی کا کل اثاثہ ہے بخت۔" بیدار بخت کی نگاہ اس کی مخروطی انگلی میں دمکتے ڈائمنڈ کے رنگ کی طرف مرکوز ہو گئی یہ رنگ کتنے مان سے اس نے اس انگلی میں پہنایا تھا مگر اب وہ اس رشتے سے ہی فرار چاہ رہا تھا یہ نہیں تھا کہ وہ متلون مزاج تھا وفا کرنا نہیں جانتا تھا بلکہ بات صرف اس کے اندر بیٹھے خوف کی تھی جو بچپن سے اس میں پنجے گاڑے بیٹھا تھا جس نے کبھی اسے دل کھول کر ہنسنے نہیں دیا تھا ورنہ پشمینہ دلاور اس کی اکلوتی خالہ جانی کی بیٹی اور اس کی اولین اور آخری محبت اتنی بے اثر نہیں تھی کہ وہ اس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتا جب کہ اس کی زندگی کا ہر راستہ ہر موسم ہر لمحہ اس سے منسوب تھا۔

"بھئی کیا سوچنے لگے اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ یہاں کیسے؟"

"کچھ کپڑے پرفیوم اور چوڑیاں خریدنی تھیں۔"

"چوڑیاں کس کے لیے جناب۔"

"ایک پیاری سی لڑکی کے لیے جو میری لالہ سے بہت مشابہ ہے۔"

"اچھا چلو یہ کیٹگری میرے مطلب کی ہے یہ کام میں کروا دیتی ہوں لیکن سنو مجھے بھی اس لڑکی سے ملوانا۔" وہ زبردستی اسے خواتین کے حصے میں لے گئی پھر چار پانچ چوڑیوں کے سیٹ پسند کر لیے اس نے باکس ہاتھ میں لیا پھر کاؤنٹر پر آ کر بل پے کر کے دونوں باہر آئے بیدار بخت اپنی کار کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ پشمینہ دلاور نے اسے آواز دے کر روکا پھر بولی۔

"تم سالوں نہیں آتے ہم شکایت نہیں کرتے لیکن نانو اپنی ویڈنگ اینورسری کی تقریب کر رہے ہیں آنا مت بھولنا ورنہ نانو کے عتاب سے بچنا بہت مشکل ہو گا۔"

"ہوں آنے کی کوشش کروں گا۔" وہ کار میں بیٹھ گیا سارے راستے پشمینہ کی خوشبو بھری شخصیت اس کے ارد گرد ہی چکراتی رہی۔

یہ لڑکی کتنی معصوم کتنی سچی اور پر خلوص تھی کہ اس جیسے آکس گلیشیئر کے نام کی انگوٹھی پہنے کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ اس کی طرف جانے کی طلب رکھنے کے باوجود اس تک نہیں جاتا تھا ایک بے نام سی زنجیر پیروں میں چھنک جاتی تھی وہ سوچتا تھا کہ وہ لڑکی جو صرف محبت سے بنی ہے محبت کے لیے بنی ہے بھلا اس جیسے روڈ بندے کے ساتھ کیسے ایڈجسٹ ہو گی یا پھر بات یہ بھی نہیں تھی۔

بات صرف اس کے تلخ ماضی کی تھی جس کو سوچ کر اس کے سارے احساسات برف ہو جاتے تھے اور وہ سوچتا تھا اگر ماضی میں کی گئی کسی ظلم کی انتہا اس کی زندگی کو بددعا بن کر لگ گئی تو۔

"نہیں مجھے اب کوئی فیصلہ کر ہی لینا چاہیے خواہ مخواہ اس کا خوب صورت جیون میرے آسرے پر سرد بے کیف گزرے ہی چلا جا رہا ہے میں اسے بتا دوں گا کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں۔" اس نے سوچا۔

اس منگنی میں نانو، نانی اماں کی پسند شامل تھی مگر اب وہ سمجھتا تھا یہ رشتہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے پشمینہ جیسی لڑکی کو اس قید سے آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے۔

سوچتے دماغ کے ساتھ اس نے شیراڈ گیٹ کے سامنے روکی پھر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں دائم پر نظر پڑی تو وہ اندر جانے کی بجائے باہر ہی رک گیا بے تکلفی سے بولا۔

"کیوں ینگ مین کیسے ہو۔" دائم نے بے تکلفی سے مخاطب کرنے والے کو پلٹ کر دیکھا پھر رک گیا۔

"ارے آپ ہیں بخت بھائی، کیسے ہیں اور یہ آپ واک کب سے کرنے لگے، میں نے پہلے تو آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"نہیں دیکھا ہو گا مگر اب روز دیکھو گے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے بیدار بخت نے جواب دینے کی بجائے دور دور تک نظر دوڑائی پھر بولا۔

"دانیال اور گل رو نظر نہیں آ رہے کوئی خاص بات۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے بس، آج ذرا دانی بھیا اور گل رو دراصل بی بی ماں کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیدر میں شرکت کے لیے گئے ہیں۔ میجر راشد کے بڑے بیٹے کی منگنی تھی مجھے بھی کہا تھا انہوں نے مگر مجھے فارملٹیز سے بڑی چڑ ہے زندگی آزاد پنچھی ہے پھر ہم اسے تکلفات ڈسپلن مینرز کی خوش رنگ زنجیروں میں کیوں جکڑیں، کہیے آپ کا کیا خیال ہے بخت بھائی۔" وہ کہتے کہتے سوال کر بیٹھا۔

"مینرز ڈسپلن تکلفات گرچہ مینرز ضروری لگتے ہیں مگر دائم زندگی کو نظم و ضبط میں رکھنے کے لیے ہمیں ان سب چیزوں کی اہمیت سے انکار نہیں کرنا چاہیے اسے یوں لو جیسے نظام شمسی میں ہر سیارہ محدود دائرے میں تیر رہا ہے اس لیے کہ ان میں ایک مخصوص مقناطیسی حصار قائم ہے سمجھو جس دن یہ فضا ختم ہوئی تمام سیارے اسی دن آپس میں ٹکرا کر فنا ہو جائیں گے سو ڈسپلن مینرز فارملٹیز ہمارے معاشرے اور ہمارے لیے ایسا ہی مقناطیسی حصار ہیں جو ہمیں اپنے جامے میں رکھتے ہیں، ہمیں ہر لمحے اپنے اختیارات کی حد سمجھاتے رہتے ہیں اس طرح زندگی سہل ہو جاتی ہے۔"

دائم نے سر ہلا کر تائید کی ساتھ ہی بولا۔ "بخت بھائی آپ تو میری سوچ سے کہیں ڈیفینٹ نیچر رکھتے ہیں، بولتے رہا کیجیے خوشگوار باتیں، بارش کے قطروں کی طرح روح پر برستی محسوس ہوتی ہیں۔" بیدار بخت نے چونک کر اس لڑکے کو دیکھا جو جینے والوں کی طرح جینا جانتا تھا اور جس کے لہجے میں خواب بولتے تھے۔

"دائم عظمت تم میری سوچ سے بہت آگے کی چیز ہو۔" بے ساختہ اس نے اس کی پیشانی چوم لی تو دائم اس کے سینے سے لگ گیا۔

"بخت بھائی آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں مگر نہ جانے کیوں آپ کے وجود سے مجھے اپنی اپنی سی خوشبو آتی ہے جیسے ہم بچھڑ کر بھی اندر سے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔"

بیدار بخت نے کچھ کہا نہیں بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر راؤنڈ لے کر واپس کار تک پہنچ کر جدا ہونے لگے تو بیدار بخت نے اس کی طرف ایک خوب صورت سا باکس بڑھایا۔

"آج شاپنگ کے لیے چلا گیا تھا یہ چوڑیاں اچھی لگی تھیں تو میں نے سوچا گل رو کے لیے ٹھیک رہیں گی، سو خرید لیں تم اسے دے دینا اگر تم مائنڈ نہ کرو۔"

"ارے واہ بھلا میں کیوں مائنڈ کروں گا آپ اتنی محبت سے تو دے رہے ہیں گل رو کو بھی بہت پسند آئیں گی لائیے میں دے دوں گا۔" دائم نے باکس لے

لیا بیدار بخت نے بڑی گرمجوشی سے اسے خدا حافظ کہا' گھر آیا تو بہت مطمئن و مسرور تھا۔

وہ سیٹی پر مدھر دھن بجاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا پھر کھانا خوشگوار انداز میں کھا کر وہ نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھا چائے سے شغل کر رہا تھا جب اچانک دانیال کے ساتھ مہرباباں غصے میں بھری اس کے گھر چلی آئیں۔

"مسٹر بیدار بخت میں آپ کو ایک نہایت نفیس انسان سمجھتی تھی مگر شاید یہ میری بھول تھی آپ ویل ایجوکیٹڈ ویل مینرڈ ہو کر بھی اپنی حدود نہیں پہچان سکے۔"

"میں سمجھا نہیں بی بی ماں۔" وہ تقدس لیے آنکھوں میں اٹھ کھڑا ہوا مہرباباں نے اس کے والہانہ پن کو اس کی گستاخی پر محمول کیا پھر بڑے تلخ لہجے میں بولیں۔

"گل رو کو ان تھرڈ کلاس چیزوں سے کبھی لگاؤ نہیں رہا مسٹر بیدار بخت' وہ ایک آرمڈ آفیسر باپ اور ایک مضبوط' استقامت کے معنی جاننے والی ماں کی بیٹی ہے' اس لیے آپ آئندہ دھیان رکھیے گا میں مزید آپ کی شخصیت کو کسی بھی حوالے سے موضوع گفتگو بنتے نہیں دیکھنا چاہتی آپ نے احسان کیا مجھ پر ہم اس پر شکر گزار ہیں۔"

"بی بی ماں آپ پلیز سنیں تو دیکھئے چائے تو پی لیجئے اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ آئی ہیں آپ' دیکھیے جتنا غصہ ہے وہ بھی مجھ پر اتار لیجئے لیکن کچھ دیر تو بیٹھیں پلیز۔" وہ تلخ باتیں سن کر بھی ان کے پیچھے دوڑا دانیال کے چہرے پر خجالت تھی وہ مہرباباں کی وجہ سے مجبور تھا ورنہ شاید ماحول ایسا نہ ہوتا۔

"بی بی ماں پلیز۔" اس نے بے تکلفی سے ان کی کلائی تھام لی تو مہرباباں کو جیسے کرنٹ لگ گیا۔

"مسٹر بیدار بخت آپ شاید اپنے حواسوں میں نہیں ہیں ہاتھ چھوڑیے میرا۔" بیدار بخت نے ان کی آواز کی گمبھیرتا سے گھبرا کر فوراً ہاتھ چھوڑ دیا مگر آنکھوں میں اب بھی التجا تھی۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں بی بی ماں میں دراصل وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہی ہیں بلکہ۔"

"بلکہ آپ وہ ہیں جس کا گمان بھی کوئی نہیں کر سکتا ہے نا.... لیکن مسٹر بخت آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم پہاڑوں کے رہنے والوں کے خون میں حمیت غیرت دیگر عناصر سے زیادہ ہی ہوتی ہے از کلیئر۔" مہرباباں گیٹ سے باہر نکل گئیں تو وہ باہر کھڑا کتنی دیر تک گیٹ کو دیکھتا رہا دل میں خیال آیا جو غلط فہمی مہرباباں کے دل میں جاگزیں ہو گئی ہے اسے صاف کر دے پھر یہ کام فی الحال نہ کرنے کا سوچ کر اندر آ گیا چوڑیوں کا باکس لا کر اس نے الماری میں البم کے اوپر رکھ دیا پھر جیسے خود سے بولا۔

"بیدار بخت آفریدی دراصل تم تنہائیوں کے باب میں ہی رقم رہو گے حقیقت میں تمہیں بنایا ہی نفرتوں کے لیے گیا ہے وہ نفرتیں دوسرے تم سے کرتے ہیں یا وہ نفرتیں جو تم خود اپنے وجود سے محسوس کرتے ہو جسم کے لباس کو اتار پھینکنا آسان ہوتا تو تم کب کے اس پل صراط سے بھی گزر گئے ہوتے مگر ابھی تمہارے لیے بڑے امتحان ہیں زندہ رہنے کا بھی تو ایک خراج ہوتا ہے سو دیتے رہو اس خراج میں اپنی بے مول جوانی خوشیاں' مسکراہٹیں محبتیں' لٹاتے رہو زندگی کے قدموں میں۔" الماری بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھا اور خود کو نیند کے حوالے کر دیا کہ آگہی سے کہیں زیادہ بے خبری میں عافیت ہے۔

*_*_*

وہ دونوں کمرے میں ملول سے بیٹھے تھے گل رو کا خیال تھا بی بی ماں نے ان کا دیا ہوا تحفہ یوں واپس کر کے اچھا نہیں کیا۔

"دائم بھائی آخر بی بی ماں کو یکدم بخت بھائی سے کیا پرخاش ہو گئی میں نے نوٹ کیا ہے شروع سے ہی بی بی ماں بخت بھائی کی بے تکلفی ناپسند کرتی آئی ہیں' لیکن آج تک سمجھ نہیں سکی ان کے اس بی ہیویئر کی وجہ کیا ہے۔"

"مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا بی بی ماں ویسے تو ہمیں خوش اخلاق۔" ابھی وہ کچھ اور کہتا کہ بی بی ماں ان کے کمرے میں دوبارہ سے آ گئیں ان کا چہرہ غصے سے سرخ تھا وہ دونوں سہم گئے کچھ کہنا چاہتے ہی تھے کہ ان کے

لب کانپے۔

"دائم دانیال اور گل رو اس بات کو اپنی گرہ میں باندھ لو کہ آج کے بعد تم میں سے کوئی بیدار بخت سے نہیں ملے گا۔"

"مگر کیوں بی بی ماں اتنے اچھے تو ہیں بخت بھائی۔"

"صرف چند دنوں کی دوستی' ملاقات سے تم نے جان لیا کہ وہ اچھا ہے ادھر دیکھو جتنی تمہاری عمر ہے اتنا میرا تجربہ ہے' اس لیے میں نہیں چاہوں گی کہ صرف گل رو پر کی جانے والی خاص عنایات کسی اور والوں سے دیکھی جائیں انڈر اسٹینڈ۔" وہ کہہ کر چلی بھی گئیں اور وہ تینوں ساکت رہ گئے دانیال آخری جملے سے بات کا مطلب سمجھا تھا اس لیے اس کا رنگ فق تھا جبکہ دائم اور گل رو حیرت زدہ تھے دانیال قدرے خود کو سنبھال کر گل رو کے قریب آیا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دینا ہی چاہتا تھا۔ کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"یقین کریں دانی بھائی وہ مجھے بالکل آپ کی طرح لگتے ہیں بس اس لیے میں ان سے فری ہوتی تھی ورنہ اور کوئی بات نہ تھی۔"

"مجھے یقین ہے ایسی کوئی بات تھی' ہی نہیں نہ تمہاری نظر میں' نہ بخت کی نظر میں' مگر اب بی بی ماں یہ سمجھنے لگی ہیں تو ہمیں کچھ وقت کے لیے لب سی لینے چاہئیں تاکہ بی بی ماں بخت کو خود تسلیم کر لیں۔" گل رو نے سر ہلا کر ہامی بھر لی۔

"بخت بھائی جیسے بھی ہیں' مجھے ہر صورت عزیز ہیں بی بی ماں یہ پابندی نہیں لگا سکتیں کہ ہم ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں' محبت کے بندھن اتنے کچے نہیں ہوتے کہ فیصلے کا ایک جھٹکا انہیں توڑ دے بی بی ماں کے حکم کے مطابق بخت بھائی اس گھر میں نہیں آ سکتے' مگر میں تو ان سے ملنے ان کے گھر جا سکتا ہوں اور پھر تمہارے ساتھ تو گل رو والی پرابلم بھی نہیں' میں بخت بھائی کو کسی بھی طرح ہرٹ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔" دائم اٹھ کر چل دیا تو دانیال گل رو کو بی ایزی رہنے کا کہتا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

*_*_*

اس وقت وہ اپنے دفتر میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ لیفٹیننٹ اشرف عثمانی اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ سلوٹ کے بعد اسفندیار کے متعلق پوچھا تو بیدار بخت کو خیال آیا کہ اس نے تو صبح اس کی خیریت پوچھنے کا وعدہ کیا تھا مگر دماغی الجھنوں نے اسے کچھ یاد ہی کب رہنے دیا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں' کہ کیپٹن اسفندیار کب آئیں گے' ایک ہفتہ تو ہو ہی چکا ہے انہیں۔" بیدار بخت نے اس سوال پر چونک کر اپنی تھکی تھکی آنکھیں اس پر گاڑ دیں پھر بولا۔

"اسفند کو دراصل نمونیہ ہو گیا تھا مگر طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے شاید ایک مہینے کی لیو لینی پڑے گی۔"

"ایک مہینے کی لیو اچھا۔" لیفٹیننٹ اشرف ایک مہینے کا سن کر مایوس ہو کر کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ اس نے آواز دے کر روکا۔

"کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا مجھے پسند تو نہیں لیکن لیفٹیننٹ اشرف عثمانی' کیا آپ بتانا پسند کریں گے آج کل آپ کس مسئلے میں گرفتار ہیں' ہو سکتا ہے میں مسئلہ جان کر آپ کو کوئی درست مشورہ دے سکوں۔"

لیفٹیننٹ اشرف نے اتنا نرم لہجہ سنا تو حیرت زدہ ہو گیا کہ وہ کھردرے مزاج کا آفیسر مشہور تھا اور اب اس کی ذاتی پرابلم سننے کو تیار ہو گیا تھا۔ کتنی دیر تک اشرف عثمانی مسئلے کو دماغ میں تازہ کرتے رہے بیدار بخت نے شش و پنج میں مبتلا دیکھا تو کہا۔

"مسٹر اشرف آن دا ڈیوٹی' ملک کی سلامتی کے علاوہ ہمیں کسی معاملے پر تفکر نہیں کرنا چاہیے ویسے تو آف دا ڈیوٹی بھی ہم صرف اپنے وطن کے لیے مختص ہیں لیکن پھر بھی بہت زیادہ خاص باتیں بہرحال سوچنے کا ہمیں وقت مل ہی جاتا ہے مگر سوچنے والی باتوں پر پریشان ہونے سے بہتر ہوتا ہے ان پرابلمز کا حل تلاش کیا جائے' آپ گھر جاتے ہوئے مجھ سے ملیے گا' کہتے ہیں جہاں ایک دماغ سے کام نہیں چلتا وہاں دو دماغ زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں' گاڈ بلس یو

مسٹر اشرف۔"

لیفٹیننٹ اشرف کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا پھر حسب پروگرام وہ دفتر سے اٹھا تو اس نے گیٹ سے اشرف کو پک کرلیا لیفٹیننٹ اشرف عثمانی گومگو کی کیفیت میں گرفتار تھے اس لیے بیدار بخت نے ادھر ادھر کی لایعنی باتوں میں الجھا کر اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش شروع کردی۔

لیفٹیننٹ اشرف بھی جادو بیانی سے شاعری، مصوری، موسیقی پر سیر حاصل بحث کررہے تھے۔ بیدار بخت کو ان کا ذہن صاف شفاف سمندر کی طرح محسوس ہوا جس کے ساحل پر سیپیاں، گھونگے خیالات کے گہر آب دار سب ہی کچھ ایک ہی ساعت میں دکھائی دیئے اتنی خوب صورتی سے کہ وہ بھی اصل مسئلہ بھول کر ان سے شاعری اور نئے رجحانات پر گفتگو کرنے لگا۔

ڈرائیور محتاط انداز میں گاڑی چلا رہا تھا اس لیے جب کار گیٹ سے پورچ میں داخل ہوئی تو لیفٹیننٹ اشرف عثمانی اور بیدار بخت کے درمیان تکلف کی دیوار گرچکی تھی بیدار بخت ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گیا پھر چائے کا کہہ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا پوری ایمان داری اور اخلاص سے پھر بولا۔

"ہوں اشرف، اب کہو تمہارا کیا مسئلہ ہے جس میں تم اسفند سے مدد کے طالب ہو۔" لیفٹیننٹ اشرف نے دونوں ہاتھوں آپس کو میں ملایا پھر آہستگی سے سر جھکا کر بولا۔

"اسفند دراصل آفیسرانہ شان اور تکلفات کے قائل نہیں ہیں، وہ مجھے بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں اس لیے میں بھی ان سے اپنا ہر مسئلہ شیئر کرکے ایزی فیل کرتا ہوں میرا نہ کوئی بڑا بھائی ہے نہ چھوٹا ہے۔ کبھی میں نے کوئی دوست بنائے۔ اس لیے جس مسئلے میں، میں دو رائے کا شکار ہوتا ہوں، اسفند بھائی سے مشورہ کرکے کسی ایک فیصلے پر پہنچنے کی سعی کرلیتا ہوں۔"

بیدار بخت غور سے اسے دیکھتا رہا بولا کچھ نہیں لیفٹیننٹ اشرف نے اس کی سنجیدگی دیکھی تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"میں پنجاب کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم مسلمان ہیں اور ایک قوم ہیں، مگر اندر سے ہم کتنی ہی غیر ضروری شاخوں رسموں میں منقسم ہیں ہمارے ہاں ادلے بدلے کی شادیوں کا بہت رواج ہے یہ رواج ہر جگہ کسی نہ کسی صورت بہت عام ہے مگر ہمارے ہاں اس کا کچھ زیادہ ہی زور ہے۔

میرے ساتھ یہی ہوا ہماری بچپن میں منگنی کردی گئی بڑے ہوئے تو میری منگیتر کے بھائی نے شادی کے لیے یہ شرط رکھ دی کہ وہ میری بہن عالیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا اس بات پر اگر سلطان کسی بھی لحاظ سے میری بہن کے قابل ہوتا مگر اس وقت میں اپنی بات منوانے کی پوزیشن میں نہیں تھا تب نوعمر تھا اس لیے بزرگوں نے میری بات پر کان نہ دھرا فیصلہ کردیا گیا میری بے بے جی بھی مجبور ہوگئیں مگر اب جبکہ میری شادی ہونے والی ہے تو میں پھر سے دوراہے پر آکھڑا ہوا ہوں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ایک طرف میرا مستقبل تو دوسری طرف بہن کی زندگی کی تباہی۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں، وضاحت کرو یہ بھی بتاؤ کہ سلطان کیسا بندہ ہے تمہیں کیا پرخاش ہے اس سے۔"

"وضاحت یہی ہے کہ میری بہن کا منگیتر سلطان کسی کام نہیں ہے زمیندار تھا تو انداز اطوار بھی وہی تھے مگر اب ساری زمینیں بک گئیں، سلطان لاابالی اور حد درجے کھلے ہاتھ کا ہے اس نے باپ کا کمایا ہوا سب جمع جتھا دوستوں اور عیاشیوں میں لگادیا، اب وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہے، میری منگیتر اور ساس صاحبہ ایسے وقت میں لوگوں کے سلائی کے کپڑے سی کر گزارہ کرتی ہیں اس لیے ہی میں چاہتا ہوں میں اپنی منگیتر کو اس مشکل گھڑی سے جلد نکال لوں، مگر جی اپنی بہن کا سوچتا ہوں تو دل دہل جاتا ہے وہ تو وہاں چکی کے دو پاٹوں میں پس جائے گی، میں نے اپنی دونوں بہنوں کو بہت نازو نعم میں پالا ہے، ابا جی تو میرے بچپن ہی میں فوت ہوگئے تھے میری ماں بہنوں نے بہت برا وقت گزارا ہے مگر میں نے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی ان کے آنسو

پونچھ ڈالے مگر اب مجھے لگتا ہے، جیسے وقت پھر سے خود کو دوہرا رہا ہے۔" لایکلخت وہ خاموش ہوگیا تو بیدار بخت نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپکا پھر بولا۔

"تم ایک فوجی ہو اشرف، اس لیے تمہارے اعصاب اور جذبات کو ایک عام انسان سے کہیں بڑھ کر اسٹرانگ ہونا چاہیے، رہا یہ مسئلہ تو جوان، مرد آہن ہی وہ ہے جو زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا چاہتا ہو، مسائل کو خود پر حاوی کرنے کی بجائے خود ان پر غالب آنے کے گر سیکھو، میں آؤں گا تمہارے گھر پھر بیٹھ کر اس مسئلے پر بات کریں گے تم مطمئن رہو۔" بیدار بخت لحہ بھر رکا پھر سے کچھ کہنے کو سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

"چلو جوان چائے پیو، اور سب کام اللہ پر چھوڑ دو۔" لیفٹیننٹ اشرف نے ملازم کے ہاتھ سے کپ لے لیا پھر خیالوں میں غلطاں وہ چائے کے چھوٹے سپ لیتا رہا اور باتیں ہوتی رہیں پھر اشرف ہی کو خیال آیا تو اس نے جانے کی اجازت مانگی۔

"او شیور کیوں نہیں، مگر جاتے جاتے اسے یاد رکھو کہ اسفند ہی نہیں میں بھی تمہارا بھائی ہوں آج سے۔"

لیفٹیننٹ اشرف نے بے اختیار سر ہلا کر تائید کی بیدار بخت گیٹ تک اسے چھوڑنے آیا واپس لوٹ رہا تھا کہ سامنے بنگلے سے دائم نکلا۔

"بخت بھائی کیسے ہیں آپ؟"

دل چاہا کہے ٹوٹے ہوئے شیشے اور ٹوٹے ہوئے دل کیسے ہوتے ہیں تم نہیں جانتے دائم تو مجھے دیکھ لو عبرت پکڑو کہ میں راندہ محبت ہوں محبت کے معبد کا دروازے سب سر جھکائے اس معبد میں عنبر و لوبان سے مہکتے ہوکر محبت کے ابدیت لافانیت کے قصے چھیڑ رہے ہیں مگر میں باہر دہلیز پر ابھی تک سر جھکائے بیٹھا ہوں کسی نے محبت کا ہاتھ تک میری طرف بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ ہونٹوں پر پپڑی زبان پر کانٹے اور پیروں میں آبلے لیے میں ابھی تک منتظر ہی رہا کہ معبد محبت سے کوئی میرا نام بھی پکارے مجھے معتبر کردے اچانک ہی سہی مگر کرے تو اس لمحے دل بھی رک جائے تو محبت کا سودا زندگی کے عوض کچھ اتنا بھی برا نہ رہے۔

"بخت بھائی ناراض ہیں آپ۔" اسے بس ایک ٹک اپنی طرف دیکھتے پاکر دائم کو یہی گمان ہوا تو بیدار بخت نے کھینچ کر اسے ساتھ لگالیا پھر جذب سے بولا۔

"بی بی ماں، تم، دانی اور گل میرے لیے کس قدر اہم ہو جان لیتے تو کبھی یہ سوال نہ کرتے۔"

"یعنی آپ رات کی بات پر مجھ سے خفا نہیں۔"

"نہیں دائم، میں کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتا، میرا دل ہی ایسا نہیں ہے ہاں اگر کسی سے خفگی پال ہی لوں تو ساری دنیا کا سمندر بھی مل کر میرے دل سے ناراضگی کا انمٹ نقش نہیں مٹا سکتا۔"

"بخت بھائی میں آپ کو کھونے کا رسک نہیں لینا چاہتا عجیب سا نا محسوس انس ہوگیا ہے آپ سے مجھے، لگتا ہے جیسے اگر آپ کھوئے تو میری زندگی کا کوئی اہم ستون اپنی جگہ سے ہل جائے گا۔"

"ارے واہ صرف چند دنوں کی ملاقات میں اس قدر شدت پسندی۔" دائم ہنسنے لگا پھر گیٹ سے ٹیک لگا کر بولا۔

"شدت پسندی تو ہمارے خون میں رچی بسی ہے سر، پہاڑوں کے رہنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں جسے ایک بار اپنا کہہ دیا تو اپنا بن کر دکھا دیا جسے دل سے نکال باہر کیا، تو پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں کہ کس حال میں ہے وہ۔"

"اور یہ کہ چھوٹے بچے اس طرح نہیں بولتے تمہارے لہجے میں تو خواب، پھول، تتلی، جگنو ہونے چاہئیں، یہ نفرت یہ شدت پسندی یہ سب تو بہت آگے کی باتیں ہیں تم صرف شعر سنایا کرو شعر کہا کرو۔"

وہ پھر سے چلنے لگے ہولے ہولے قدموں سے چلتے پوری آفیسرز کالونی کا راؤنڈ لے کر واپس چلے آئے جہاں سے ملے تھے وہاں آکر پھر بچھڑنے کے لیے ایک دوسرے سے مل رہے تھے کہ ٹیرس سے دانیال بھائی نے آواز دی۔

"بی بی ماں' تمہیں یاد فرما رہی ہیں دائم' جلدی آؤ ٹمپریچر ہائی ہے ان کا۔" دائم اثر لیے بغیر چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا دانیال نے ہاتھ ہلا کر اس سے خیریت دریافت کی تو وہ سینے پر ہاتھ لے جا کر ٹھیک ٹھاک ہونے کا عندیہ دیتا اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا پھر رات کے کھانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آیا ہی تھا کہ ٹیلی فون کا ایکسٹینشن بج اٹھا۔

"ہیلو بیدار بخت آفریدی اسپیکنگ۔" دوسری طرف کی آواز سنی تو لگا جیسے کسی نے اس کے جسم کو صلیب پر گاڑ دیا ہو جسم کی اذیت تو کسی بھی دوا سے دور کی جاسکتی ہے مگر یہاں لگتا تھا جیسے روح میں کیلیں گاڑ دی گئی ہوں وہ کافی دیر تک سنتا رہا۔

"میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا' آپ کو کہہ جو دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے میری اذیتیں بڑھانے کے لیے یہاں تشریف لانے کی' آئی ہیٹ یو بابا آئی ہیٹ فار ایور۔"

وہ فون رکھ کر بیٹھا تو لگا خارزاروں سے ننگے پیر دوڑتا آرہا ہو جا بجا جسم اور پیر میں دکھ کے کانٹے ہی کانٹے پیوست تھے لہو قدم قدم پر بکھرا ہوا تھا مگر یہ طے تھا کہ یہ سزائیں خود اس کی تجویز کردہ تھیں وہ بے وجہ ہی خود کو نفرین کرتا لوگوں میں رہ کر خود کو تنہا کرکے اپنے دل کی تنہائی کی کسک پر گھنٹوں ہنستا' کوئی زخم نہیں دیتا تو مرہم رکھنے کی بجائے دکھ کے نشتر سے زخم اور چھید لیتا اور گھنٹوں اپنی دریدہ روح کا تماشا دیکھتا تھک جاتا تو ویلیم کی گولیاں کھا کر سو رہتا۔

مگر اس وقت۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار نہیں وحشت تھی دکھ اور وحشت ساتھ ساتھ آنکھوں میں تیر رہی تھیں۔

اس نے خود کو سنبھالا بھی نہیں تھا ابھی کہ فون پھر بج اٹھا جھلایا ہوا تھا اس لیے ریسیور اٹھاتے ہی پھٹ پڑا۔

"سوری ہائی نس میں آپ کی کسی داستان خوں رنگ کا حصہ نہیں ہوں' میرے لیے صرف یہ اہم ہے کہ میں بیدار بخت ہوں۔" وہ لمحہ بھر کو تھما تو دوسری طرف سے ساکت ریسیور تھامے اسفندیار کی صدا سنائی دی۔

"خیریت یار من کس پر اس قدر گرم ہورہے ہو۔"

"کسی پر بھی نہیں' آخر میں کس پر اتنا گرم ہوسکتا ہوں کون ہے میرے اتنے قریب میرا اپنا۔"

"واہ میرے ہوتے اس قسم کی باتیں کرتے تمہیں شرم آنی چاہیے' آئندہ خود کو تنہا کہا تو سمجھنا سخت قسم کا جھگڑا ہوجائے گا میرا۔" بیدار بخت کچھ نہ بولا گہرے گہرے سانس لینے لگا پھر ایسا لگا جیسے اسے آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی تو بے چارگی سے چلایا۔

"اسفند میرے پاس آجاؤ' میرے قریب' میں بہت تھک گیا ہوں میں رونا چاہتا ہوں' اسفند میں نہ جانے کب سے نہیں رویا کوئی تھا ہی نہیں میرے آنسوؤں کو پونچھنے والا اسفند پلیز آجاؤ میں آج دل کھول کر رولینا چاہتا ہوں پتا نہیں مجھے کیوں لگ رہا ہے جیسے میں ابھی نہیں رویا تو دل تھم جائے گا میرا دم گھٹ رہا ہے یار' پلیز۔"

وہ اس کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ کر ٹیرس پر آگیا مہرتاباں کے ڈرائنگ روم کی مرر وال پر گہرے نیلے پردے تنے ہوئے تھے مگر روشنی پھر بھی کسی نہ کسی درز سے چھن چھن کر باہر آرہی تھی اس نے کتنے ہی ناآسودہ سانس لے ڈالے پھر ٹیرس سے ہٹ کر بچھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا جیب سے لائٹر سگریٹ نکال کر سامنے رکھی چھوٹی سی میز پر رکھ کر آنکھیں موندلیں سکون کے لیے نہیں بلکہ چاہتا تھا کہ کچھ سوچے مگر پھر بھی اسے اردگرد نامحسوس نسوانی چیخوں کا شور گونجتا محسوس ہوا۔ جیسے جنگ میں طبل پر تھاپ پڑے تو روح تک جھنجھنا جائے بالکل اسی طرح اس وقت یہ چیخیں اس میں آگ دہکا رہی تھیں اسے کہیں پڑھی ایک بات یاد آنے لگی لکھا تھا۔

"دوزخ میں کوئی آگ نہیں ہوگی' بلکہ دوزخ میں جانے والے اپنی آگ خود لے کر جائیں گے۔" اس نے پڑھ کر سمجھا نہیں تھا مگر آج اس پر کھل رہا تھا۔

واقعی دوزخ تو سرد ہے ہمیں جھلسا دینے والی سورج کی لمبی لمبی زبان نکالنے والی آگ تو ہمارے ایک ایک عمل میں چھپی ہے وہ عمل جنہیں ہم آج درخور اعتنا نہیں سمجھتے کرکے بھول جاتے ہیں مگر حقیقتاً ہمارے یہی عمل ہمارے لیے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں دہکاتے ہیں جو مل کر ایک دن عظیم آگ میں ڈھل جاتے ہیں جیسے اس وقت کسی اور کے کیے اعمال اس کی روح کے آتشدان میں آسمان کو چھولینے والے لپکتے ہوئے تھے اسے جھلسا رہے تھے عمل کی سزا کسی اور کو نہیں ملتی مگر کفارہ بھی زندگی میں ایک اہم چیز ہے سو یہی کفارہ تو تھا جو وہ ہر ایک جذبے پر ایک چہرے سے منہ موڑتا آیا تھا جان کر' چاہت سے بڑھنے والے قدموں کو ٹھکراتا آیا تھا کہ کہیں قدم متزلزل ہوگئے تو خود سے باندھا عہد ٹوٹ جائے گا۔

وہ کمزور تھا اس لیے کسی کے آنسوؤں کا بدلہ ظلم سے نہیں لے سکتا تھا مگر اس نے پھر بھی قسم کھائی تھی دس برس کی عمر میں جب خود زندگی کا مفہوم مبہم غیر واضح ہوتا ہے۔ اس وقت اس نے دل میں سوچا تھا کہ اس ظلم کی حکومت میں ہونے والے ہر ظلم کے بدلے وہ خود اپنی ایک خوشی دان کرے گا سو اس عمل کے بعد کھلا یہ تھا کہ اس کے حصے کی تمام خوشیاں مول اٹھ گئیں مگر آج برسوں بعد وہ آواز پھر سنائی دی تھی تو وہ جس نے خود کو بڑی دقتوں کے بعد ریزہ ریزہ کرکے جوڑا تھا پھر بکھرنے لگا وہ تھک گیا اور تڑپ کر چیخا۔

"میں چاہوں بھی تو آپ کی طرف محبت سے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ ابھی تو مجھ پر قرض ہی اتنے ہیں کہ میں پورا دان ہوکر بھی مقروض ہوں' کاش بابا آپ نظر رکھتے تو دیکھتے کہ آپ کا یہ بیٹا محض آپ کی انا ضد اور مطلق العنانی' بربریت' جبر و تشدد' رسم و رواج پر بے مول اٹھ گیا' میں اب آپ کا نہیں رہا بابا میں تو اپنا بھی نہیں رہا اپنے بارے میں اس لیے نہیں سوچتا کہ کہیں کوئی بددعا مجھ سے منسلک میرے عزیز ترین رشتوں کو نہ لگ جائے۔ مجھے آپ کی پروا نہیں میں تو صرف اپنے دل میں محبت کرنے والے چند چاند چہروں کے لیے مصلوب ہوا ہوں' انہیں اماوس رات سے بچانے کے لیے تنہائی کی عمیق گہرائیوں میں گھٹنوں کے بل گھسیٹ رہا ہوں ہر وقت سجدے میں گر ان کی خوشیوں کی ابدیت کے لیے دست سوال دراز کیے رکھتا ہوں' مگر بابا آپ یہ نہیں سمجھیں گے کسی بہتی آب جو کے کنارے بیٹھ کر پیاسا کھڑا رہنا کتنا کٹھن ہے آپ نہیں سمجھیں گے آپ سمجھ بھی نہیں سکتے۔"

اس نے ہونٹ کاٹ لیے خون رسنے لگا۔ ہونٹوں سے' تو اس نے بے بسی سے آسمان کی طرف نگاہیں ٹکادیں پھر لائٹر سے کھیلنے لگا بار بار شعلہ جلاتا بجھاتا آج سگریٹ پینے کی بھی طلب نہیں رہی تھی۔

"اسفند کب آؤ گے تم' آؤ گے بھی یا تم بھی چھوڑ دو گے اور سب کی طرح۔" وہ بڑبڑایا آنکھیں پوری بھینچ لیں دل کے گرد کہیں درد اٹھا تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہ ہونٹوں ہی میں دبالی۔

"میں کیا تھا کیا سوچتا تھا مگر بن کیا گیا' میرے خواب میری آرزوئیں سب رل گئیں بابا آپ نے کہیں کا نہیں رہنے دیا مجھے۔" وہ ٹہلتا رہا مگر درد بڑھتا ہی چلا گیا۔

"اسفند۔" اس نے بے قراری سے پکارا تو دو بازو اس کی گردن میں حمائل ہوگئے۔

"کیا آفت تھی یار کتنا ہولا دیا تم نے مجھے' جانتے ہو کتنی مشکل سے ڈرائیو کرکے آیا ہوں۔" بیدار بخت نے گردن موڑ کر خود پر جھکے اسفندیار کے چہرے کو دیکھا سرخ چہرہ انگارہ آنکھیں' وہ بدحواس کتنا اپنا اپنا سا لگ رہا تھا پیشانی پر پسینے کے قطرے جمے تھے۔

"مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ تم بیمار ہو' ورنہ کبھی نہ بلاتا۔" اسفند سامنے بید کی کرسی پر بیٹھ گیا تو بولا۔

"ارے واہ کیوں نہ بلاتے مجھے' ایک میں ہی تو ہوں تمہارا خاص مجھے نہ یاد کرتے تو قسم سے بری طرح نمٹتے مجھ سے' ویسے ہوا کیا تھا بہت ڈپریس لگ رہے تھے' سچ پوچھو تو تمہارے مخاطب کرنے کا انداز ہی اتنا دل دہلا دینے والا تھا کہ مجھ سے ایک پل نہیں رکا گیا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا تو سانس پھولنے لگی اسے اس پر رحم آنے لگا۔

"اتنی ٹھنڈ میں تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا اسفند میں تو بے وقوف ہوں' اچھا چلو کمرے میں' ٹیرس پر اس وقت ویسے ہی سردی ہے اٹھو بیڈ پر چل کر بیٹھو۔" اس نے اسفند کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا تو گھبرا گیا۔

"بی بی ماں، تمہیں یاد فرما رہی ہیں دائم، جلدی آؤ نمبر بچ رہا ہے ان کا۔" دائم اثر لیے بغیر چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا دانیال نے ہاتھ ہلا کر اس سے خیریت دریافت کی تو وہ سینے پر ہاتھ لے جا کر ٹھیک ٹھاک ہونے کا عندیہ دیتا اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا پھر رات کے کھانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آیا ہی تھا کہ ٹیلی فون کا ایکسٹینشن بج اٹھا۔

"ہیلو بیدار بخت آفریدی اسپیکنگ۔" دوسری طرف کی آواز سنی تو لگا جیسے کسی نے اس کے جسم کو صلیب پر گاڑ دیا ہو جسم کی اذیت تو کسی بھی دوا سے دور کی جا سکتی ہے مگر یہاں لگتا تھا جیسے روح میں کیلیں گاڑ دی گئی ہوں وہ کافی دیر تک سنتا رہا۔

"میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا" آپ کو کہہ جو دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے میری اذیتیں بڑھانے کے لیے یہاں تشریف لانے کی' آئی ہیٹ یو بابا آئی ہیٹ فار ایور۔"

وہ فون رکھ کر بیٹھا تو لگا خارزاروں سے ننگے پیر دوڑتا آ رہا ہو جا بجا جسم اور پیر میں دکھ کے کانٹے ہی کانٹے پیوست تھے لہو قدم قدم پر بکھرا ہوا تھا مگر یہ طے تھا کہ یہ سزائیں خود اس کی تجویز کردہ تھیں وہ بے وجہ ہی خود کو نفرین کرتا لوگوں میں رہ کر خود کو تنہا کر کے اپنے دل کی تنہائی کی کسک پر گھنٹوں ہنستا' کوئی زخم نہیں دیتا تو مرہم رکھنے کی بجائے دکھ کے نشتر سے زخم اور چھید لیتا اور گھنٹوں اپنی دریدہ روح کا تماشا دیکھتا تھک جاتا تو ویلیم کی گولیاں کھا کر سو رہتا۔

مگر اس وقت۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار نہیں وحشت تھی دکھ اور وحشت ساتھ ساتھ آنکھوں میں تیر رہی تھیں۔

اس نے خود کو سنبھالا بھی نہیں تھا ابھی کہ فون پھر بج اٹھا جھلایا ہوا تھا اس لیے ریسیور اٹھاتے ہی پھٹ پڑا۔

"سوری ہائی نس میں آپ کی کسی داستان خوں رنگ کا حصہ نہیں ہوں' میرے لیے صرف یہ اہم ہے کہ میں بیدار بخت ہوں۔" وہ لمحہ بھر کو تھما تو دوسری طرف سے ساکت ریسیور تھامے اسفندیار کی صدا سنائی دی۔

"خیریت یار من کس پر اس قدر گرم ہو رہے ہو۔"

"کسی پر بھی نہیں' آخر میں کس پر اتنا گرم ہو سکتا ہوں کون ہے میرے اتنے قریب میرا اپنا۔"

"واہ میرے ہوتے اس قسم کی باتیں کرتے تمہیں شرم آنی چاہیے' آئندہ خود کو تنہا کہا تو سمجھنا سخت قسم کا جھگڑا ہو جائے گا میرا۔" بیدار بخت کچھ نہ بولا گہرے گہرے سانس لینے لگا پھر ایسا لگا جیسے اسے آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی تو بے چارگی سے چلایا۔

"اسفند میرے پاس آ جاؤ' میرے قریب' میں بہت تھک گیا ہوں میں رونا چاہتا ہوں' اسفند میں نہ جانے کب سے نہیں رویا کوئی تھا ہی نہیں میرے آنسوؤں کو پونچھنے والا اسفند پلیز آ جاؤ میں آج دل کھول کر رو لینا چاہتا ہوں پتا نہیں مجھے کیوں لگ رہا ہے جیسے میں ابھی نہیں رویا تو دل تھم جائے گا میرا دم گھٹ رہا ہے یار' پلیز۔"

وہ اس کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ کر ٹیرس پر آ گیا مہرتاباں کے ڈرائنگ روم کی مرر وال پر گہرے نیلے پردے تنے ہوئے تھے مگر روشنی پھر بھی کسی نہ کسی درز سے چھن چھن کر باہر آ رہی تھی اس نے کتنے ہی ناآسودہ سانس لے ڈالے پھر ٹیرس سے ہٹ کر بچھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا جیب سے لائٹر سگریٹ نکال کر سامنے رکھی چھوٹی سی میز پر رکھ کر آنکھیں موند لیں سکون کے لیے نہیں بلکہ چاہتا تھا کہ کچھ سوچے مگر پھر بھی اسے اردگرد نامحسوس نسوانی چیخوں کا شور گونجتا محسوس ہوا۔ جیسے جنگ میں طبل پر تھاپ پڑے تو روح تک جھنجھنا جائے بالکل اسی طرح اس وقت یہ چیخیں اس میں آگ دہکا رہی تھیں اسے کہیں پڑھی ایک بات یاد آنے لگی لکھا تھا۔

"دوزخ میں کوئی آگ نہیں ہو گی' بلکہ دوزخ میں جانے والے اپنی آگ خود لے کر جائیں گے۔" اس نے پڑھ کر سمجھا نہیں تھا مگر آج اس پر کھل رہا تھا۔

واقعی دوزخ تو سرد ہے ہمیں جھلسا دینے والی سرخ لمبی لمبی زبان نکالنے والی آگ تو ہمارے ایک ایک عمل میں چھپی ہے وہ عمل جنہیں ہم آج درخور اعتنا نہیں سمجھتے کر کے بھول جاتے ہیں مگر حقیقتاً "ہمارے یہی عمل ہمارے لیے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں دہکاتے ہیں جو مل کر ایک دن عظیم آگ میں ڈھل جاتے ہیں جیسے اس وقت کسی اور کے کیے اعمال اس کی روح کے آتشدان میں آسمان کو چھو لینے والے لپکتے ہوئے تھے اسے جھلسا رہے تھے عمل کی سزا کسی اور کو نہیں ملتی مگر کفارہ بھی زندگی میں ایک اہم چیز ہے سو یہی کفارہ تو تھا جو وہ ہر ایک جذبے پر ایک چہرے سے منہ موڑتا آیا تھا جان کر' چاہت سے بڑھنے والے قدموں کو ٹھکراتا آیا تھا کہ کہیں قدم متزلزل ہو گئے تو خود سے باندھا عہد ٹوٹ جائے گا۔

وہ کمزور تھا اس لیے کسی کے آنسوؤں کا بدلہ ظلم سے نہیں لے سکتا تھا مگر اس نے پھر بھی قسم کھائی تھی دس برس کی عمر میں جب خود زندگی کا مفہوم مبہم غیر واضح ہوتا ہے۔ اس وقت اس نے دل میں سوچا تھا کہ اس ظلم کی حکومت میں ہونے والے ہر ظلم کے بدلے وہ خود اپنی ایک خوشی دان کرے گا سو اس عمل کے بعد کھلا یہ تھا کہ اس کے حصے کی تمام خوشیاں مول اٹھ گئیں مگر آج برسوں بعد وہ آواز پھر سنائی دی تھی تو وہ جس نے خود کو بڑی دقتوں کے بعد ریزہ ریزہ کر کے جوڑا تھا پھر بکھرنے لگا وہ تھک گیا اور تڑپ کر چیخا۔

"میں چاہوں بھی تو آپ کی طرف محبت سے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ ابھی تو مجھ پر قرض ہی اتنے ہیں کہ میں پورا دان ہو کر بھی مقروض ہوں' کاش بابا آپ نظر رکھتے تو دیکھتے کہ آپ کا یہ بیٹا محض آپ کی انا ضد اور مطلق العنانی' بربریت' جبر و تشدد' رسم و رواج پر بے مول اٹھ گیا' میں اب آپ کا نہیں رہا بابا میں تو اپنا بھی نہیں رہا اپنے بارے میں اس لیے نہیں سوچتا کہ کہیں کوئی بددعا مجھ سے منسلک میرے عزیز ترین رشتوں کو نہ لگ جائے۔ مجھے آپ کی پروا نہیں میں تو صرف اپنے دل میں محبت کرنے والے چند چاند چہروں کے لیے مصلوب ہوا ہوں' انہیں اماوس رات سے بچانے کے لیے تنہائی کی عمیق گہرائیوں میں گھٹنوں کے بل گھسیٹ رہا ہوں ہر وقت سجدے میں گر کر ان کی خوشیوں کی ابدیت کے لیے دست سوال دراز کیے رکھتا ہوں' مگر بابا آپ یہ نہیں سمجھیں گے کبھی بھی آپ دوزخ کے کنارے بیٹھ کر پیاسا کھڑا رہنا کتنا کٹھن ہے آپ نہیں سمجھیں گے آپ سمجھ بھی نہیں سکتے۔"

اس نے ہونٹ کاٹ لیے خون رسنے لگا۔ ہونٹوں سے' تو اس نے بے بسی سے آسمان کی طرف نگاہیں نکادیں پھر لائٹر سے کھیلنے لگا بار بار شعلہ جلاتا بجھاتا آج سگریٹ پینے کی بھی طلب نہیں رہی تھی۔

"اسفند کب آؤ گے تم' آؤ گے بھی یا تم بھی چھوڑ دو گے اور سب کی طرح۔" وہ بڑبڑایا آنکھیں پوری بھینچ لیں دل کے گرد کہیں درد اٹھا تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہ ہونٹوں ہی میں دبالی۔

"میں کیا تھا کیا سوچتا تھا مگر بن کیا گیا' میرے خواب میری آرزوئیں سب رل گئیں بابا آپ نے کہیں کا نہیں رہنے دیا مجھے۔" وہ ٹہلتا رہا مگر درد بڑھتا ہی چلا گیا۔

"اسفند۔" اس نے بے قراری سے پکارا تو دو بازو اس کی گردن میں حمائل ہو گئے۔

"کیا آفت تھی یار کتنا ہولا دیا تم نے مجھے' جانتے ہو کتنی مشکل سے ڈرائیو کر کے آیا ہوں۔" بیدار بخت نے گردن موڑ کر خود پر جھکے اسفندیار کے چہرے کو دیکھا سرخ چہرہ انگارہ آنکھیں' وہ بدحواس کتنا اپنا اپنا سا لگ رہا تھا پیشانی پر پسینے کے قطرے جمے تھے۔

"مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ تم بیمار ہو' ورنہ کبھی نہ بلاتا۔" اسفند سامنے بید کی کرسی پر بیٹھ گیا تو بولا۔

"ارے واہ کیوں نہ بلاتے مجھے' ایک میں ہی تو ہوں تمہارا خاص مجھے نہ یاد کرتے تو قسم سے بری طرح پٹتے مجھ سے' ویسے ہوا کیا تھا بہت ڈپریس لگ رہے تھے' سچ پوچھو تو تمہارے مخاطب کرنے کا انداز ہی اتنا دل دہلا دینے والا تھا کہ مجھ سے ایک پل نہیں رکا گیا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا تو سانس پھولنے لگی اسے اس پر رحم آنے لگا۔

"اتنی ٹھنڈ میں تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا اسفند میں تو بے وقوف ہوں' اچھا چلو کمرے میں ٹیرس پر اس وقت ویسے ہی سردی ہے اٹھو بیڈ پر چل کر بیٹھو۔" اس نے اسفند کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا تو گھبرا گیا۔

"تمہیں تو ٹمپریچر بھی ہے' بہت فضول ہو تم اسفند۔" وہ اسے زبردستی بیڈ پر بٹھا کر اچھی طرح کمبل اس کے گرد لپیٹنے لگا۔ اسفند نے اس کی مصروفیات دیکھیں تو بولا۔

"بخت کے بچے اب بتا بھی دو' کیا ہوا تھا تمہیں' کس پر خفا ہو رہے تھے۔" بیدار بخت نے اس کی طرف دیکھا تو کہا۔

"بس خود پر غصہ آ رہا تھا اس لیے بکواس کر دی تھی' تم فکر مت کرو۔"

"بخت تم مجھے اپنی پرابلم نہیں بتاؤ گے' اپنے اسفند کو بھی نہیں۔" اسفند جو تقریباً لیٹ گیا تھا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا پھر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر کہنے لگا۔

"تم ساری دنیا سے جو چھپاتے رہے ہو' یقین کرو میں بھی اس بات کو راز کی طرح رکھوں گا بخت میں امانت میں خیانت کرنے والا نہیں مجھ پر یقین کرو۔" بیدار بخت نے اس کی طرف دیکھا پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھل گیا ایک قد آور معمر شخص گرم شال اوڑھے کمرے کی دہلیز پر آ رکا بیدار بخت کی آنکھیں درد سے بھر گئیں اسفندیار حیرت زدہ بیٹھا رہ گیا۔

"تم سمجھتے ہو تم ان چند افراد کی سیکورٹی میں کھڑے ہو کر مجھ سے چھین لو گے خود کو' نہیں بیدار بخت آفریدی تم میری ملکیت ہو تمہاری زندگی پر صرف میرا حق ہے' جس طرح چاہوں تمہاری زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہوں'۔ فوج میں آنے کا فیصلہ تمہاری بغاوت تھی مگر اب میں تمہیں لینے آیا ہوں' مجھے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے ہمارے متفقہ جرگے کا فیصلہ ہے کہ میرے بعد تم میرے جانشین بنو گے۔"

اسفند ساکت بس دیکھتا رہا' تو یہ قد آور شخصیت بیدار بخت کے بابا ہیں بیدار بخت نے ہمیشہ اپنے بابا کے لیے "تھے" کا صیغہ استعمال کیا تھا مگر یہاں تو اس کے بابا جیتے جاگتے کھڑے تھے بیدار بخت کچھ کہہ بھی نہیں رہا تھا بس بیڈ پر جما یوں بیٹھا تھا جیسے جان نکال لی گئی ہو۔

"بیدار بخت آفریدی' میں تم سے مخاطب ہوں کیا تمہیں انکار ہے اس بات سے کہ تم میرے بیٹے ہو۔"

"انکار ہی تو نہیں کر سکتا' مگر میں آپ کو اپنا بھی نہیں کہہ سکتا بابا مگر جان لیجئے کہ آپ مجھے یہاں سے کسی صورت نہیں لے جا سکتے میں ایک آرمی آفیسر ہوں اگر چاہوں تو۔"

"تم کچھ نہیں چاہ سکتے' میرے حکم کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہے بابا کیونکہ زندگی اور موت کا فیصلہ قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے آپ کے نہیں۔"

"تم تعلیم حاصل کر کے بہت زبان دراز ہو گئے ہو' تم عظمت اللہ کے لہجے میں بولنے لگے ہو وہ بھی میرے سامنے ایسے ہی سر اٹھا کر چلاتا تھا۔"

"شاید اس لیے ہی آپ نے انہیں ایک جھوٹی لڑائی میں موت کے گھاٹ اتروا دیا۔"

"بیدار بخت تم اپنی تمام حدیں پھلانگ رہے ہو۔" بابا اپنے محافظوں کے ساتھ بالکل اس کے قریب آ گئے اسفندیار کو بیدار بخت بہت غیر محفوظ لگا اس نے اس کا ہاتھ یوں پکڑ لیا جیسے ہر آفت سے ٹکرا جانے کا عزم کر بیٹھا ہو ادھر بیدار بخت تمام تر دوراندیشی بالائے طاق رکھے بابا جان کے سامنے دوبدو کھڑا تھا۔ بابا جان نے اس کا انداز دیکھا مگر خاطر میں نہ لائے اس کے سامنے کی کرسی پر براجمان ہو گئے' بیدار بخت نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تو بابا جان کی آواز گرج بن کر اطراف میں چنگاریاں اڑانے لگی۔

"بیدار بخت مجھے انکار سننے کی عادت نہیں' تمہیں میری سرداری سنبھالنی ہو گی۔" بیدار بخت نے دیکھا پھر ملازم سے بولا۔

"بابا چائے پئیں تو ان کی خاطر کرو' بابا مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے اس لیے پلیز۔" وہ اٹھا تو بابا نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹکا دیا وہ لڑکھڑا گیا توانا جسم ہو کر بھی معمر شخص کی طاقت کے آگے ہل گیا تو بابا کی آنکھوں میں تمسخر آ گیا۔

"یہ ہے تمہاری تربیت' تمہاری ٹریننگ ایک بوڑھے آدمی کی طاقت کے سامنے اپنے قدم نہیں جما سکے تم کرتے کیا ہو گے تم جیسے نازک مزاجوں کو آرمی میں کیسے لیا جاتا ہے ایک تم ہو ایک وہ عظمت اللہ تھا اسے بھی بہت زعم تھا اپنی جوانی اپنی سوچ پر مگر تم نے دیکھا کیا انجام ہوا اس کا۔"

"میں نے ہی نہیں سب نے دیکھا مگر بابا دنیا نے ابھی وہ نہیں دیکھا جو دکھایا جا سکتا تھا ظلم کے آگے مظلوم بن کر دنیا صرف تماشائی ہے مگر یاد رکھیے جس دن انسان مظلومیت کے دائرے سے نکلا اس دن آپ کا راج پاٹ زمین بوس ہو جائے گا مجھے ان زمینوں پر حکمرانی کرنے کا کوئی شوق نہیں جو خون کی ندیاں بہا کر ملیں عظمت بھائی باپ کی طرف سے میرے سگے بھائی نہ بھی ہوں مگر ان کا اور میرا ایک ہی خون ہے ہمارے آباء ایک ہی تھے اس لیے یاد رکھیے بابا جو بھی آپ نے عظمی بھیا کے ساتھ کیا اسے میں بھولا نہیں' کبھی نہ کبھی حساب ضرور لوں گا آپ سے' کیونکہ میں خود اس خون کا حساب دیتے دیتے اب تھک چکا ہوں۔"

"بیدار بخت تمہاری یہ جرات۔" بابا نے اس کا ہاتھ پوری قوت سے شکنجے میں جکڑ لیا بیدار بخت کے چہرے پر اذیت پھیل گئی تو اسفندیار کی جان پر بن آئی۔

"انکل یہ تمام باتیں ٹھنڈے مزاج کے ساتھ بیٹھ کر کیجیے۔" اسفندیار نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تو بابا نے ایک زور کا ہاتھ اس کے سینے پر مار دیا وہ بیمار بندہ دھڑام سے پھر سے بیڈ پر گر گیا۔

"اس سے بولو چپ کر کے بیٹھ جائے ایک طرف' ورنہ میرے اشارے کی دیر ہے اور یہ۔"

"اور یہ کیا۔۔۔ بابا آخر آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں' یہ سنگلاخ چٹانیں نہیں یہاں آپ کا قانون نہیں چلتا یہ دارالحکومت ہے آپ کی تھوڑی سی بے احتیاطی وبال بن سکتی ہے۔"

"تو مجھے ڈراتا ہے اپنے باپ کو' ارے یہ کھیل میں نے برسوں کھیلے ہوئے ہیں اس لیے ان دھمکیوں کو چھوڑ یہ بتا میرے ساتھ چل رہا ہے یا نہیں۔" ان کا لہجہ حد درجہ پتھریلا تھا مگر اس نے پھر بھی پوری استقامت سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"نہیں' میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا' یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" بابا نے نظروں نظروں میں تولا پھر بنسے۔

"ابھی جوشیلا ہو رہا ہے میں پھر آؤں گا' چل سمندر خان بچہ تھک گیا ہے' سونے دے اسے۔" وہ جس طوفان کی طرح آئے تھے اسی طرح لوٹ گئے کمرے میں بیدار بخت اور گم سم بیٹھے اسفندیار کے علاوہ کوئی نہیں تھا ملازم بنا کہے جا چکے تھے کمرے کا دروازہ بند تھا فانوس کی روشنی بھی کمرے کو روشن کرنے میں ناکام محسوس ہو رہی تھی تب ہی بیدار بخت نے بھرائے انداز میں کہا۔

"اسفند کسی کو بلاؤ کمرے میں یکلخت اندھیرا کیوں بڑھنے لگا ہے' کچھ سجھائی نہیں دے رہا روشنی کرو اسفند میرا دم گھٹتا ہے اندھیرے میں' میں روشنیوں کا طالب ہوں۔ مجھے چمکتے دن اچھے لگتے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے مجھے روشنی اچھی لگتی ہے چمکتے دن بھاتے ہیں اور میرا نام سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے مجھے رات کی تیرہ بختیوں کے باب میں رقم کر دیا گیا' اسفند یہ فاؤل ہے کہ نہیں۔" وہ چلانے لگا زور زور سے تو اسفندیار نے اسے سنبھالا۔ بیڈ پر بٹھا کر پانی کا گلاس تھمایا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری پیاس یہ پانی نہیں بجھا سکتا' میرا وجود صحرا ہو گیا ہے تھر کے ریگستان کی طرح برسوں سے مجھ میں بارش نہیں ہوئی' میں پانی پیوں گا تو اور' اور کی پکار مچ جائے گی اسفند اے سی آن کر دو بہت گھٹن ہے یہاں' یہ پردہ ہٹا دو ونڈو سے ہوا آنے دو میرا دم گھٹ رہا ہے اسفند مجھے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔" اس نے بے قراری سے سر دائیں بائیں مارا تو اسفندیار بوکھلا گیا۔

"پلیز بخت حوصلہ کرو' میں ابھی ڈاکٹر مہرتاباں کو بلاتا ہوں' پلیز ہوش میں رہو۔" بیدار بخت روکتا رہ گیا اسفندیار کمرے سے نکلتا چلا گیا کمرے میں سناٹا پھیل گیا تو بیدار بخت نے خود کو قد آدم آئینے میں دیکھا۔

"یہ میری شکل واقعی بھیانک ہو گئی ہے کیا' میری آنکھیں کس قدر خون آشام لگنے لگی ہیں یہ میں ہی ہوں یا کوئی اور ہے بخت یہ تم ہی ہو' نہیں بھلا میں اتنا

بھیانک کیسے ہو سکتا ہوں یہ اسفندیار عظمی بھائی' لالہ کہاں چلے گئے' سب مجھے تنہا چھوڑ کر ہر کوئی ہر موڑ پر مجھ سے ملتا رہا اپنی مرضی سے بچھڑتا رہا کسی نے نہیں پوچھا کہ میں کسی سے جدا بھی ہونا چاہتا ہوں یا نہیں' کسی نے مجھے میرا مان ہی نہیں دیا' راہ کے پتھر کی طرح ٹھوکر لگا دی آگے بڑھ گیا۔ لالہ۔ اسفند۔" وہ پھر سے چلایا پھر لہرا کر کارپٹ پر گر گیا۔

۔۔*

اسفند مسلسل بیل دے رہا تھا چوکیدار جانے کہاں تھا کتنی دیر بعد دروازہ کھولا ملازم نے تحیر سے اسے دیکھا مگر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"پلیز مہرجی سے کہیے' ہمیں ان کی اشد ضرورت ہے۔ میں کیپٹن بیدار بخت کا دوست ہوں اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے پلیز جناب۔" اسفند کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح مدعا بیان کرے بس منت لگے تب کہیں مہرتاباں تیار ہو کر باہر آئیں۔

"چلیے مسٹر اسفند۔" ناراضگی بھول کر صرف ڈاکٹر ہونے کی ڈیوٹی نبھانے بیدار بخت کے بنگلے میں داخل ہوئیں بنگلے کے سارے ملازم بدحواس کھڑے تھے اسفندیار مہرتاباں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے جسم سے جان نکل گئی بیدار بخت کچھ ایسے ہی بے سدھ پڑا تھا لمحہ بھر کو تو لگا جیسے اس کا سانس بھی نہیں چل رہا اسفندیار نے غیر یقینی سے اسے دیکھا' پھر ایک ملازم کے ساتھ اسے آرام سے بیڈ پر لٹا کر باہر نکل گیا' مہرتاباں اس کا چیک اپ کر رہی تھیں کہ غیر ارادی طور پر ان کی نگاہ اس کے چہرے پر جم سی گئی کس قدر زرد اور ملال میں ڈوبا ہوا تھا یہ چہرہ مہرتاباں کے چونکنے میں اس کا دکھ پیش نظر نہیں تھا بس لمحہ بھر اس کے چہرے میں کسی اور کا عکس انہیں جھلملاتا محسوس ہوا تھا پھر انہوں نے سر جھٹکا اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں مہرتاباں پر نظر پڑی تو اٹھ بیٹھا۔

"میں بہت تنہا ہوں اس وقت پلیز بی بی ماں مت جائیں۔" یکلخت اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

اسفندیار پشت پر کھلے دروازے میں چائے کی ٹرے لیے کھڑا تھا۔ بیدار بخت ابھی تک اسی پوزیشن میں تھا مہرتاباں تلخی سے اسے گھور رہی تھیں۔

"مسٹر بخت میرا راستہ چھوڑیں آپ کو شرم آنی چاہیے' اتنا بڑا جھوٹ بولنے پر' رات کے ڈھائی بجے آپ کو کچھ اور نہیں سوجھا تھا۔" اسفندیار کو اپنی ذات ملوث ہوتی نظر آئی تو وہ گلا کھنکار کر سامنے آگیا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"آپ یقین کریں مہرجی' اس کی حالت واقعی پاگلوں جیسی ہو رہی تھی میں اسی لیے آپ کو بلانے چلا گیا۔"

بیدار بخت نے نظریں ترچھی کر کے اسے دیکھا کچھ کہا نہیں اسفندیار نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھایا مہرتاباں کا میڈیکل باکس ان کے ہاتھ سے لے لیا پھر احترام سے بولا۔ "چلیے مادام میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔"

"نہیں شکریہ' میرا گھر اتنی دور بھی نہیں۔" وہ آگے بڑھ گئیں اسفندیار میڈیکل باکس تھامے ہوئے تھا اس لیے ان کے پیچھے لپکا اور بیدار بخت کمرے کے وسط میں کھڑا پھر سے جذبات کی انتہاؤں کو چھونے لگا زندگی اس کے قریب آکر پھر سے روٹھ گئی تھی بے ہوشی قطعاً غیر اختیاری تھی اتنی جلد ہوش میں آنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا مگر مہرتاباں پھر بھی اس کو نظر انداز کر گئی تھیں وہ کتنی ہی دیر اسفندیار کا انتظار کرتا رہا کافی دیر بعد وہ لوٹا مگر اس میں وہ گرمجوشی نہیں تھی۔

"یہ یکدم تمہیں کیا ہو گیا۔" بیدار بخت نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے دیکھا اسفندیار کی آنکھوں میں بے اطمینانی ٹھاٹھیں مارنے لگی کون یقین کرے گا بھلا یہ شخص جو ابھی دیوانوں کی طرح چلا رہا تھا جس کا دم گھٹ رہا تھا جو لمحہ بھر کو یوں لگا جیسے زندگی ہار بیٹھا ہو وہ شخص اب سگریٹ کے طویل کش لگا رہا تھا۔ آنکھوں میں گرچہ تھکن تھی مگر یہ بیدار بخت تھوڑی دیر پہلے کے بیدار بخت سے مختلف تھا جسے وہ تنہا چھوڑ کر گیا تھا۔

"بخت مہرتاباں کیا ٹھیک کہہ رہی تھیں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں وہ۔" اس نے اطمینان سے اسے دیکھا تو اسفندیار کو اپنا مزاج ٹھنڈا رکھنا دوبھر لگنے لگا۔

"جانتے ہو مہرتاباں تمہیں اول درجے کا لوفر منہ پھٹ اور آوارہ سمجھتی ہیں۔" بیدار بخت نے سنا تو اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ تم کن چکروں میں گرفتار ہو' مہرتاباں اور تمہارا آخر معاملہ کیا ہے تم انہیں بی بی ماں کہتے ہو نا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا پھر بولا۔ "میں نے سنا ہے ان کی ایک پیاری سی بیٹی بھی ہے کہیں تم۔"

"پلیز اسٹاپ اٹ اسفند ایسی کوئی بات نہیں گل رو' میری لالہ کی بلکہ لالہ سے بھی کہیں۔۔۔" وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا اسفند انتظار کرتا رہا کہ وہ کچھ کہے گا مگر وہ تو یوں چپ ہوا جیسے بات ختم ہو گئی' اس نے اس کی سنجیدگی محسوس کی تو بولا۔

"آخر تم کس پرابلم میں گرفتار ہو' تمہارے باباجان والا معاملہ بھی سمجھ میں نہیں آیا' تم نے تو انہیں مرحوم بتایا تھا' مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تم آخر کیا چھپانا چاہتے ہو' آخر بتا دینے میں حرج ہی کیا ہے' کہتے ہیں دل کا دکھ کہہ دینے سے بوجھ کم ہو جاتا ہے۔"

"ہو جاتا ہے ضرور ہو جاتا ہے مگر اسفند میں اپنے دل کا بوجھ کم نہیں کرنا چاہتا میں تو چاہتا ہوں اپنی اذیتیں بڑھاتا چلا جاؤں خود کو دکھ میں اتنا ڈبو دوں کہ میری روح کو سکون مل جائے اور تم کہہ رہے ہو نا بلکہ تم حیرت زدہ ہو کہ میں اس قدر ڈریکس ہو کر بار کر بھی جینے کی سعی کرنے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لیے کیسے قدم جمائے کھڑا ہو گیا ہوں۔

تم کیا مجھے اس حالت میں پا کر تو کوئی بھی یہ سوال کر سکتا ہے لیکن کوئی میرے شب و روز سے واقف ہو تو کبھی یہ نہ کہے کئی برس ہو گئے ہیں مجھے اس طرح در و دیواروں کے ساتھ سر ٹکراتے چلاتے بے ہوش ہو کر زمین بوس ہوتے میری آنکھیں جب بھی بند ہوتی ہیں مجھے لگتا ہے' بس میں پھر سے اس دنیا کو نہیں دیکھ سکوں گا مگر ہر روز جاگ جاتا ہوں تھکن میرے جسم میں بس چکی ہے' ملال کی مٹی سے گوندھ کر بنایا گیا ہوں میں غم کے چاک پر رکھ کر گزھا گیا ہوں اس آنسوؤں کی تپش میں رکھ کر مجھے تپایا گیا ہے' پھر تم ہی کہو مجھ کو کیا دکھ ہو سکتا ہے بھلا۔" اسفندیار اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں تمہیں نہیں سمجھ پایا بخت۔" وہ ہار گیا تو وہ ہنسنے لگا۔

"میں تو جانتا تھا تم میری گرد تک پہنچ ہی نہیں سکتے دوست کہلانے کی تو تمہیں ہی خواہش تھی' مجھے تو کبھی کسی دوست کی طلب نہیں ہوئی دراصل میں خود اپنے اتنے قریب ہوں کہ کوئی اور مجھے شکست دے کر مجھ تک آ ہی نہیں سکتا۔"

"یہ حصار تو تمہارے اپنے ہوئے نا کسی کو اور کیا دوش' سنو یہ جو تم کہتے ہو نا کہ تمہیں شکست دے کر تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا یہ بھی تمہارا وہم ہے جھوٹا بہلاوا ہے تم خود کو دھوکا دے رہے ہو' کیونکہ تم تک میں پہنچ چکا ہوں اگر یہ سب نہ ہوتا تو میں اس وقت یہاں موجود نہ ہوتا' کوئی تعلق نہیں ہے تو تم اتنی شدت سے میرے طالب نہ ہوتے' بخت تم مجھے کچھ نہ بھی سمجھو تب بھی میں تمہارے لیے سوچتا رہوں گا جب تمہیں میری ضرورت ہو پکار لینا' میری سماعتیں بصارتیں لفظ جذبے سب صرف تمہارے لیے مختص ہیں۔"

یقین سے کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا بیدار بخت نے وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے مگر اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی سو وہ فجر کی اذان تک جاگتا رہا پھر اٹھا نہا دھو کر جائے نماز بچھا کر نماز ادا کی پھر دعا مانگنے لگا کچھ دل کی گھٹن کم ہوئی تو آنکھیں کھولیں اور آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

ملازم ناشتے کے لیے بلانے چلا آیا وہ دل نا چاہتے ہوئے بھی سینڈوچ اور چائے کا ایک کپ معدے میں انڈیل کر اٹھ کھڑا ہوا باہر نکلا تو مہرتاباں کا گیٹ اسی وقت کھلا دانیال آہستہ روی سے کار باہر نکال رہا تھا پھر وہ سب کار میں آبیٹھے مہرتاباں نے اسے اب بھی ترش روئی سے دیکھا' دانیال نے نگاہوں ہی میں حال چال پوچھ لیا' گل رو نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا واحد دائم ایسا تھا جس نے باقاعدہ اشارے سے خیریت

دریافت کی تھی بیدار بخت نے بھی اشارے ہی سے ٹھیک ہونے کا عندیہ دے دیا تھا مہرتاباں نے گھور کر دائم کو دیکھا پھر سرد لہجے میں بولیں۔

"دانی جلدی چلو مجھے ہاسپٹل آج ٹھیک وقت پر پہنچنا ہے۔" دانیال نے کچھ کہے بغیر کار آگے بڑھا دی تو وہ بھی اپنے روٹ کی طرف عازم سفر ہوا۔ اسفندیار کے ڈیڑھ مہینے کی لیو منظور کر لی گئی تھی بیدار بخت نے اشرف عثمانی کی زبانی سنا اسفندیار ہاسپٹل منتقل ہو گیا ہے لیکن اس نے اخلاقاً" بھی نہیں پوچھا اسفند اچانک اسپتال میں ایڈمٹ کیوں ہو گیا' وہ دن بھر اپنے کام میں لگا رہا شام کو اسپتال بھی نہیں گیا تو پتا چلا اسفندیار نے اسے کئی بار فون کر کے اس کی خیریت پوچھی ہے۔

ملازم سے سن کر اسے یکلخت شرمندگی نے گھیر لیا وہ بیمار ہو کر بھی اس کے لیے کتنا فکر مند تھا ایک فون کرنے پر وہ تنہا کار چلاتا اس تک آیا تھا اتنی پر خلوص محبت تھی اس کے لیے اس کے دل میں' ایک وہ خود تھا کہ قدم قدم پر اسے ڈس ہارٹ کر رہا تھا سوچتے ہوئے دماغ تھک گیا تو وہ ٹیرس پر چلا آیا سامنے کے ٹیرس پر دائم میز پر کتابیں رکھے بیٹھا تھا بیدار بخت پر نظر پڑی تو اس کا چہرہ کھل گیا اٹھ کر بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا پھر بولا۔

"کیسے ہیں بخت بھائی آپ؟" بیدار بخت نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں میں۔" لمحہ بھر کو رکا پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے مہرتاباں کے متعلق پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"بی بی اماں آج کل میری وجہ سے بہت پریشان ہیں' کہتی ہیں آپ نے مجھے کچھ گھول کر پلا دیا تب ہی میں ان کے سامنے بے دھڑک آپ کی وکالت کرتا ہوں ویسے بخت بھائی یہ سچ ہی ہے کہ آپ نے واقعی مجھ پر جادو کر دیا ہے۔" بیدار بخت نے جواباً" کچھ نہیں کہا کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا پھر دائم کو ایک ملازم بلانے چلا آیا تو اس نے اس کی طرف سے پشت کر لی۔

"مجھے لگتا ہے بی بی ماں نے مجھے آپ سے باتیں کرتے دیکھ لیا ہے۔ ویسے آپ آج واک پر آ رہے ہیں ناں۔" بیدار بخت سمجھا وہ چلا گیا ہے مگر اس کی آواز سنی تو دوبارہ مڑا کچھ کہے بنا الوداعی نظروں سے اسے دیکھنے لگا دائم کو اس کی خاموشی سے دل ڈوبتا محسوس ہوا تو پھر سے پکارا۔

"آر یو آل رائٹ بخت بھائی۔" وہ پھر بھی کچھ نہ بولا اس سے پہلے کہ دائم ابھی مزید سوال کرتا کہ مہرتاباں خود ٹیرس پہ چلی آئیں۔

"دائم کتنی دیر پہلے بلایا تھا میں نے تمہیں۔" بیدار بخت کی بینائی جیسے مرتے مرتے پھر سے جی اٹھی۔

"ہیلو بی بی ماں۔" اس نے سلوٹ کے سے انداز میں سلام جھاڑا مگر مہرتاباں نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں دائم کا ہاتھ تھاما اور اندر کی طرف بڑھ گئیں ٹیرس ویران لگنے لگا تو وہ بھی اپنے کمرے میں لوٹ آیا پھر کمرے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ فون کی پھر بیل بجی ریسیو کیا تو پتا چلا کہ اسفند کا فون ہے۔

"میں ابھی آتا ہوں تم سے ملنے۔" اس نے اچانک ہی فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا اسپتال پہنچا تو کمرے میں لیفٹیننٹ اشرف عثمانی کو پہلے سے موجود پایا اشرف اپنی والدہ کے ساتھ اس کی عیادت کو آیا تھا۔

بیدار بخت بو کے اسفندیار کے ہاتھوں میں دے کر اشرف کی والدہ کو سلام کر کے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا آرمی یونیفارم میں ملبوس ڈاکٹرز نرسیں آ جا رہی تھیں۔ بیدار بخت یہی سب کچھ دیکھنے میں مگن تھا۔ اسفندیار نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"کیسا گزرا آج کا دن۔" وہ مڑا پھر ہنس کر بولا۔

"نارمل' ہر روز جیسا' ہاں مگر تمہیں بہت مس کیا۔" اسفندیار کے چہرے پر گلاب کھل گئے۔

"اشرف وہ تمہاری سسٹر کے معاملے کا کیا ہوا۔" اس نے سوال کیا اشرف عثمانی کی والدہ نے چونک کر اسے دیکھا تو اشرف بوکھلا گیا پھر کہنے لگا۔

"بے جی میں بتانا بھول گیا' یہ کیپٹن بیدار بخت ہیں دراصل یہ آفیسر ہی نہیں اسفند بھائی کی طرح

میرے بہت قریبی دوست ہیں' اس لیے عالیہ والا معاملہ میں نے ان سے ڈسکس کیا تھا۔" اسفندیار نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی پھر اشرف عثمانی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے' کل تک اس قدر خراب تو نہیں تھی' ہاسپٹل ایڈمٹ ہونا پڑا۔" اسفندیار نے ہنس کر اسے دیکھا پھر ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

"تم جیسے شخص سے مغزماری اتنی آسان نہیں' صبح پانچ بجے میں گھر پہنچا تو دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا چکر آنے لگے تو نوید زبردستی مجھے اسپتال لے آیا یہاں چیک اپ ہوا تو پتا چلا ٹائیفائیڈ بھی ساتھ ہی حملہ آور ہو چلا ہے اس لیے پہلی فرصت میں ایڈمٹ ہونے کا مشورہ دیا گیا۔" بیدار بخت نے سن کر سر ہلایا پھر بالکل غیر ارادی اس کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

"تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' بہت جلدی' تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" اسفندیار کا دل تال دے کر پھر سے رقص کناں ہو گیا کتنی ہوک تھی اس کے انداز و لہجے میں کل یہی شخص تھا کہہ رہا تھا' اسے شکست دے کر کوئی اس تک نہیں آ سکتا اور آج یہی شخص ہے۔ بین السطور اعتراف شکست کر رہا ہے۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گے بخت' پل میں اولیا پل میں بھوت بن جاتے ہو۔" اس کی بات سن کر بیدار بخت کی آنکھوں میں شبنم کے قطرے ابھرے اس نے اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم لیا اور بولا۔

"میں اپنے بس میں نہیں ہوں اسفند میں جس طرح اپنے جذبوں کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کر نہیں پاتا مجھے دھڑکا سا رہتا ہے جسے میں نے کہا کہ یہ میرا ہے وہ مجھ سے بچھڑ جائے گا میں نے ہر موڑ پر کسی نہ کسی کو الوداع کہا ہے بنا اپنی مرضی منشا کے بس اس لیے میں اب مزید دکھ سہنے سے ڈرتا ہوں مجھ میں اب اور کسی سے بچھڑنے کی تاب نہیں اسفند۔" اسفندیار نے اس کے ہاتھ پر اپنا بایاں ہاتھ رکھ دیا کہا کچھ نہیں۔

وہ جب وہاں سے اٹھا تو بہت مطمئن تھا گھر آیا مہرتاباں کے گھر پر نظر پڑی دائم کے بیڈ روم کی لائٹ جل رہی تھی بیدار بخت نے سر کار سے باہر نکال کر اس کے کمرے کی طرف دیکھا عین اس وقت دائم نے کھڑکی سے پردہ سرکایا۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے میں کھانے کے بعد آپ کے ہاں گیا تو جمال بھائی نے کہا آپ بنا بتائے کہیں چلے گئے ہیں کافی پریشانی تھی کب سے انتظار کر رہا ہوں آپ کا۔" وہ اس کے قریب آ کر بولا بیدار بخت نے اسے دیکھا مگر پھر دوبارہ دیکھا ہی نہیں گیا آنکھوں میں ہجر جو بیٹھا تھا۔

"بخت بھائی آپ بی بی ماں کے رویہ سے خفا ہیں دیکھیے انہیں شاید کوئی غلط فہمی ہے' ورنہ ہم تینوں ابھی تک آپ سے پہلی ملاقات نہیں بھول پائے ہماری باتوں میں ہر لمحہ آپ کا ذکر ہوتا ہے۔ آپ ہم سے دور ہو کر بھی ہمارے درمیان ہیں یقین کیجیے ایک نہ ایک دن بی بی ماں بھی ہمارے جذبوں کی شدت سے پگھل جائیں گی۔"

"ہوں یہ ممکن ہے لیکن دائم میں یہی چاہوں گا کہ تم بی بی ماں کے سامنے باغی بن کر مت کھڑے ہو بی بی ماں تمہاری ماں ہی نہیں تمہاری زندگی میں اہم عنصر ہیں ان کے بغیر تمہاری زندگی بے جان لاشے کی طرح ہے رہا میں تو مجھ سے تو تم جب نہیں ملے تھے تب بھی جیتے تھے اب بچھڑ گئے تو اب بھی جی لو گے۔"

"آپ کا خیال ہے بچھڑ جانا اور جی لینا بہت آسان کام ہے۔" دائم اس کے لہجے سے گھبرا کر بولا تو اس نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہا۔

"یہ کام آسان نہیں تو اتنا دشوار بھی نہیں۔" اس کی الجھی ہوئی بات پر دائم نے اسے دیکھا تو اس نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

"یہ سوال پھر کبھی کرنا ہو سکا تو جواب مجھ سے ہی پا لو گے یا وقت تمہیں خود اس سوال کو سمجھا دے گا پورے معنی اور سیاق و سباق کے ساتھ۔"

"آپ بہت لایعنی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔"

"ہوں مگر ہو سکتا ہے جو باتیں تمہیں لایعنی لگیں وہ اتنی ہی اہم ہوں چلو شاباش جا کر سو جاؤ رات دیر تک نہیں جاگتے' اور کسی مشت غبار کے لیے تو بالکل

بھی نہیں جو کسی بھی پھونک سے بکھرنے کو ہر دم تیار بیٹھا ہو۔"

وہ کھلے گیٹ سے کار اندر لے گیا دائم بت بنا کھڑا رہ گیا۔ پھر دماغ میں بیدار بخت کی باتیں دوہراتا اندر داخل ہوا سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ مہرباباں اپنے کمرے کے سامنے کھڑی نظر آئیں ان کی آنکھوں میں شکوہ اور نافرمانی پر خفگی تھی دائم نے دیکھا تو سیڑھیوں سے واپس ہوا قریب آیا پھر بولا۔

"بخت بھائی آج مجھ سے چھوٹ گئے ایسے جیسے کسی دکھ کی انتہا پر کسی سے صبروضبط کا دامن چھوٹ جائے مجھے یقین ہے بی بی ماں اب وہ مجھے کبھی نہیں ملیں گے آپ خوش ہو جائیے کہ آپ کا حکم پایہ تکمیل کو پہنچا۔" وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا مہرباباں گنگ رہ گئیں لہجہ ہی اتنا ٹوٹا ہوا تھا مگر اتنی رات گئے مزید کیا کہا جا سکتا تھا۔

*_*_*

بیدار بخت پہلے سی خشک زندگی کی طرف لوٹ گیا اسفندیار ٹھیک ہو چکا تھا مگر بیدار بخت کبھی اس کے ساتھ بے حد محبت سے ملتا کبھی یکدم روڈ ہو جاتا اسفندیار نے اس کے مزاج سے سمجھوتا کر لیا تھا۔

پھر زندگی نام ہی کمپرومائز کا تھا اس لیے لیفٹیننٹ اشرف عثمانی کو بھی کمپرومائز کی سولی پر چڑھنا پڑا عالیہ مقررہ تاریخ کو ہی سلطان کے نکاح میں دے دی گئی اشرف عثمانی اپنی منگیتر سائرہ کو گھر بیاہ لائے بیدار بخت نے شادی میں شرکت تو کی مگر بہت برے دل سے اس کا خیال تھا وہ رسم ورواج کے سامنے شکست کھا گیا ہے جو ایک اچھی بات نہیں ہے اسے لڑنا چاہیے تھا تاکہ بعد کے لوگ اس کی مثال دے کر اپنا مقدمہ لڑ سکتے مگر اس نے تو میدان ہی چھوڑ دیا اشرف عثمانی نے سنا تو صرف یہی کہا۔

"میں عام آدمی ہوں، یہ بغاوت کرنا میرے بس میں نہیں، میں سائرہ سے محبت کرتا تھا اس لیے نہیں چاہتا کہ وہ اور دکھ جھیلے اور میری بغاوت اس کی زندگی کے لیے زہر بن جائے۔"

"مگر تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ سائرہ کے بدلے عالیہ کی جو زندگی برباد کر دی گئی اس معصوم لڑکی کا کیا ہو گا جو محض بہن ہونے کی سزا بھگت رہی ہے، ادلے بدلے کی شادیاں اٹ از ٹو مچ، اب یہ باتیں زندگی تباہ کر دینے والے حربے ختم ہو جانے چاہئیں۔ یہ وٹے سٹے کی شادیاں تو اس بدعہد کو اور رواج دیتی ہیں، ایک ناخوش ہو تو تین زندگیاں بلکہ ان تین زندگیوں سے منسلک سب افراد متاثر ہوتے ہیں، اشرف عثمانی تمہیں اس بات پر اسٹینڈ لینا چاہیے تھا، تم صرف ایک نوجوان ہی نہیں ایک فوجی بھی ہو۔" لیفٹیننٹ اشرف عثمانی خاموشی سے سنتا رہا کچھ بولا نہیں بات آئی گئی ہو گئی۔

پھر ایک دن پتا چلا سلطان گاؤں کے ایک تنازعے میں مارا گیا اسفندیار، بیدار بخت دونوں ہی گئے لیکن وہ ان دونوں کو پا کر ہمت چھوڑ بیٹھا۔

"یہ سب اتنا اچانک ہوا ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا۔

سمجھ نہیں آ رہا کہ میں اپنی بہن کے آنسو پونچھوں یا اس کی زندگی کے برباد کیے جانے پر چیخوں چلاؤں۔" اشرف عثمانی دونوں ہاتھوں میں چہرہ لے کر بیٹھ گیا اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا وہ بے آواز رو رہا تھا۔ بیدار بخت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ڈھارس دی۔

"اشرف اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہو گا، کچھ نہ کچھ سوچنا ہو گا ہر پرابلم کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے وہ ڈھونڈو۔"

بیدار بخت نے اس پر خاطر خواہ اثر دیکھا اسفند کی باتوں کا، وہ پھر ملنے کا کہہ کر اٹھ گیا۔

ایک دن لنچ کے وقت کھانا کھاتے ہوئے اس نے لیفٹیننٹ اشرف عثمانی کا قصہ چھیڑ دیا اسفندیار نے ہنستے ہوئے بتایا کہ مسئلہ ان کی عین منشا کے مطابق حل ہو گیا ہے۔ اب اشرف عثمانی خوشگوار زندگی گزار رہا ہے۔

اس لیے میں چاہتا ہوں اب عالیہ کو بھی ایک خوب صورت زندگی گفٹ کر دی جائے۔"

"مطلب! واضح کرو میرے شیر۔" بیدار بخت نے شوخ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"ویسے میرا خیال ہے عالیہ اچھی لڑکی ہے، مجھے تمہاری پسند پر خوشی ہوئی، وش یو گڈ لک۔"

"لیکن مجھے صرف دعائیں ہی نہیں، تمہاری مدد کی ضرورت بھی ہے۔"

"کسی قسم کی مدد، میں سمجھا نہیں۔"

"میرے یار میں چاہتا ہوں اس رشتے کی بات میری طرف سے اشرف کی والدہ سے تم کرو، تم تو واقف ہو نا کہ میرا آگے پیچھے کوئی نہیں، ویسے میری خصوصیات گنوانے کے ساتھ ساتھ انہیں یہ ضرور بتا دینا کہ میری پرورش ایک یتیم خانے میں ہوئی ہے میں یہ کبھی نہ چاہوں گا، تم انہیں اتنے اہم معاملے میں اندھیرے میں رکھو میں جو ہوں جیسا ہوں اگر انہیں قبول ہے تو میں یہ اعزاز سمجھوں گا، ورنہ دل کو سمجھا لوں گا کہ انسان کی بہتیری خواہشیں پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتیں۔" بیدار بخت خاموشی سے سنتا رہا وہ چپ ہوا تو ملازم کو بلا کر کہا۔

"جلدی سے مٹھائی لے کر آؤ اپنے یہ اسفند صاحب شادی خانہ آبادی کرنے جا رہے ہیں۔"

"اچھا صاحب۔" ملازم کی باچھیں کھل گئیں وہ سر ہلا کر باہر چلا گیا۔

"اب تم بھی گھر بسا لو، گھر آباد ہو گا آگے پیچھے معصوم چہکاریں گونجیں گی تو یہ جو کیفیت ہے نا، سب منٹوں میں اڑنچھو ہو جائے گی۔" اس نے مشورہ دیا مگر اس کی بات سن کر بخت کا کھلا چہرہ یکدم ماند پڑ گیا یوں لگا جیسے کسی نے اس کی روح کو کانٹوں میں کھینچ لیا ہو اسفندیار نے تبدیلی محسوس کی تو فوراً" بات کو گھما کر دفتر کے کاموں کی طرف لے گیا۔ باتوں میں جانے کتنا ہی وقت گزر گیا کہ ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا بڑی سی پلیٹ میں گلاب جامن دور ہی سے نظر آ رہے تھے۔

"یہ ہوئی نا انسانوں والی بات، قسم سے بخت اس وقت مجھے تم پر بے حد پیار آ رہا ہے مٹھائی اور وہ بھی میری پسند کی۔" چائے سے پہلے اس نے گلاب جامن اٹھا لیا تو بیدار بخت مسکرا دیا پھر مٹھائی اور چائے کے ساتھ ساتھ باتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ اسفندیار ہی کو وقت کا احساس ہوا۔

"او ہو بھئی بہت دیر ہو گئی چلوں گا اب۔"

اسفندیار گرمجوشی سے گلے ملتا اس سے رخصت ہوا بیدار بخت اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک مسکراتا رہا اسفندیار کے اس فیصلے سے اس کو دلی خوشی ہوئی تھی۔

شام کو وہ اپنے بیڈ روم میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ ملازم نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا کارڈ پر تحریر جانی پہچانی تھی اس نے کارڈ نکال لیا پھر سرسری نظر ڈال کر ہی اسے کارڈ کی غرض وغایت سے آگاہی ہو گئی شاپنگ مال والی ملاقات پھر سے یاد آ گئی انویٹیشن نانو کے گھر ہونے والی تقریب کا تھا کارڈ کے ساتھ الگ رقعہ بھی تھا جس میں بصد اصرار شریک ہونے کی التجا کی گئی تھی اس نے پڑھا پھر جیسے ہواؤں کو مخاطب کیا۔

"تم بہت دیوانی ہو مینا، مگر زندگی دیوانگی میں نہیں کٹتی، میں تمہارے لیے تھا ہی نہیں تم بہت پیاری ہو، کسی بہت پیارے شخص کے لیے بنی ہو جو سرتاپا محبت ہو، میں تو تمہارے قدموں کی دھول بھی نہیں تم آسمان ہو، میں زمین تم چاند ہو میں زمین پر بکھرا اندھیرا تم سمجھ کیوں نہیں جاتیں، ثمینہ کہ بیدار بخت کا نصیب نہیں ہو تم، میں کسی بھی لحاظ سے قابل نہیں ہوں۔" اس نے کارڈ تپائی پر رکھ دیا پھر ہاتھ لینے کے لیے اٹھنے ہی والا تھا اسفندیار کمرے میں چلا آیا پھر انویٹیشن کارڈ دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"خیریت، یہ شہر اسلام آباد میں میرے بعد کون پیدا ہو گیا تمہیں جاننے والا۔" پھر جواب سنا بھی نہیں تھا کہ کارڈ اٹھا لیا بیدار بخت ہاتھ اٹھا کر مٹھی بھینچ کر رہ گیا اسفندیار منیرز کے گھول کر پی چکا تھا اس لیے بڑے مزے سے کارڈ کے بعد رقعہ پڑھ رہا تھا۔

"ہوں بھئی یہ کون ہیں، اور یہ نانو جی کہاں سے آ گئے تم نے پہلے تو ذکر نہیں کیا تھا۔"

"کبھی ہماری ایسی طرح میل ملاقات ہوئی نہیں تھی پھر کیسے پتا چلتا تمہیں۔"

"ہوں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ ماضی میں

حضرت ہلاکو خان ہوتے تھے بائی دی وے اپنی فیملی سے کب ملوا رہے ہو' بلکہ خاص طور پر مس پشمینہ سے کب انٹروڈکشن کروانے کا ارادہ ہے۔"

بیدار بخت نے اس کے لہجے میں کھلی اپنائیت پر اسے تولنے والے انداز میں دیکھا حقیقتاً" وہ اسفندیار کو قریبی دوست سمجھنے کے باوجود نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی ذات کے کسی گہرے راز کی طرح چھپے گوشے سے واقف ہو وہ شروع سے ان ڈسکور رہ کر دوسروں کو ڈسکور کرتا آیا تھا اس لیے فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اسفندیار نے اتنی پرسوچ نگاہیں دیکھیں تو شرارت سے بولا۔

"اے حضرت' اگر سمجھتے ہو میں بدتہذیب ہوں یا تمہاری جیب میں زیادہ ہلکی کرواؤں گا تو تم مجھ سے لکھوالو کہ صرف ایک گلاس پانی پر تمہاری اس کزن سے ملاقات پر راضی ہوں۔" بیدار بخت کو اس کی بے چینی دیکھ کر ہنسی آ گئی پھر وہ دوسری کرسی پر بیٹھ کر بولا۔

"کل پھر دفتر کے بعد میرے ساتھ چلنا دراصل کل ویک اینڈ وہیں جا کر گزاریں گے ڈنر فارم پر ہی ہوگا۔"

"فارم پر کون کون آئے گا۔" اسفندیار نے سنجیدگی سے پوچھا تو بیدار بخت بتانے لگا۔

"باہر کا کوئی نہیں ہوگا سب میرے کزن ہوں گے پشمینہ اور نیناں ہمارے خاندان کی واحد لڑکیاں ہیں باقی چار پانچ لڑکے ہیں۔"

"ٹھیک مگر ریکارڈ درست کرنے دو' کیونکہ خاندان کی لڑکیوں میں سسٹر لالہ بھی تو شامل ہیں تم انہیں بھول گئے شاید۔" بیدار بخت کا رنگ پیلا پڑ گیا چہرے کی ساری شادابی سمٹ گئی بے رونقی نے ڈیرا ڈال لیا تو اسفندیار کو اچنبھا ہوا اس نے اس کا ہاتھ تھاما پھر دلداری سے بولا۔

"میں آج تک نہیں سمجھ سکا تم لالہ کے ذکر پر اتنے زرد کیوں ہو جاتے ہو دن رات تمہاری باتوں میں ان کا ذکر ہوتا ہے مگر مجھے حیرت ہے کبھی تم نے مجھے ان سے ملوایا نہیں۔" بیدار بخت نے آنکھیں موندلیں۔

"بخت! بخت کہاں کھو گئے تم۔" اسفندیار نے اسے اتنا چپ دیکھا تو گھبرا کر اس کا شانہ ہلایا اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔

"لیو می الون اسفند پلیز۔" اسفندیار نے حجت کیے بنا سر ہلا دیا گرمجوشی سے مصافحہ کیا کل آنے کا کہہ کر خارجی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے اس نے آنکھیں موندلیں اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر نیند کیسے کب آئی اسے معلوم نہیں۔

*_*_*

صبح ہر روز کی طرح فریش تھی وہ سارا دن دفتر کے کاموں میں الجھا رہا اسے وقت کا احساس ہی نہیں تھا۔ کہ اسفندیار اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں مسٹر اپنی کمٹ منٹ بھول گئے کیا' ارے جناب فارم جانا ہے کہ نہیں۔"

اس نے سر ہلایا کاغذات سمیٹے ایک فائل بریف کیس میں رکھی اور باہر آ گیا باہر اسفندیار ربائی روف میں اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اپنے مخصوص روٹ پر محو سفر ہو گئی راستے میں اسفندیار نے ایک جگہ رک کر تقریب کے لیے پھول لیے پھر وہ دونوں گھر آئے تو شام کی چائے کے بعد تیار ہو کر فارم ہاؤس کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

بیدار بخت شیراڈ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسفندیار اس کے برابر میں بیٹھا تھا بظاہر تو مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لگتا تھا مس ان ایزی فیل کر رہا ہے خود کو' کافی دیر تک تو وہ ضبط کرتا رہا پھر یکلخت بیدار بخت کو مخاطب کر کے بولا۔

"بخت تمہارا جانا تو ٹھیک لگتا ہے' مگر بنا انوی ٹیشن میرا جانا کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔" بیدار بخت نے گھور کے دیکھا پھر بولا۔

"یہ سب باتیں تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھیں اب فارم سے چند کلو میٹر دور رہ گئے ہیں تو تمہیں مینرز یاد آ رہے ہیں اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ چپ کر کے بیٹھے رہو۔" اسفندیار خاموش ہو گیا گرچہ بے اطمینانی اس کے چہرے سے اب بھی ہویدا تھی بیدار بخت نے اس کے چہرے پہ بوکھلاہٹ کچھ زیادہ ہی

دیکھی تو دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم شاید سمجھ رہے ہو' تمہیں وہاں بن بلایا مہمان سمجھا جائے گا تو میں تمہیں بتا دوں وہ سب بہت وسیع القلب اور وسیع النظر ہیں وہ صرف محبت دیکھتے ہیں رشتوں کی ماہیت یا ان میں کمی زیادتی کو نہیں دیکھتے محبت کسی اجنبی میں بھی دکھائی دے جائے تو وہ سب اس اجنبی کے آگے پیچھے ہو جائیں گے اور اگر آنکھوں میں والہانہ پن نہ پائیں' تو سب آپ کے کتنے ہی قریب ہوں آپ کو پلٹ کر پوچھیں گے بھی نہیں۔"

"یعنی تمہارے ساتھ اس لیے ہی سرد مہری برتی گئی تھی' ویسے آئی تھنک تم جیسے سرد مزاج' بندے سے تعلقات نبھانا ہر ایک کے بس کا روگ بھی نہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اسے کلیئر کر لو کہ ان سے دوری ان کی غلطی نہیں میری اپنی ہی خطا ہے بس مجھے رشتوں ناتوں سے خوف آتا ہے نہ ملنا جس قدر دکھ دیتا ہے مل کر بچھڑ جانا اس سے زیادہ اذیت ناک دکھ بن جاتا ہے' اسفند اس لیے میں ہمیشہ خود اپنوں سے دور رہا تاکہ۔"

"تاکہ لوگ آپ کی عقلمندی پر سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں ارے بخت تم نے تو پڑھ لکھ کر گنوایا یار بھلا کوئی ایک نادیدہ خوف سے بھی دانستہ اپنے قریبی رشتوں کو ٹھکراتا ہے' تمہاری کوئی کل سیدھی نہیں' سوچنے کا انداز ہی ٹھیک نہیں' لیکن خیر اب میں آ گیا ہوں تو تمہارا مزاج درست کر کے رکھ دوں گا۔"

بیدار بخت کچھ نہ بولا کار مخصوص راستوں سے ہوتی ہوئی فارم کے بڑے سے گیٹ میں داخل ہوئی تو اسفندیار کی آنکھوں میں رشک آ گیا۔ وہ ایک بڑی سی سفید حویلی کے سامنے پہنچے تو بیدار بخت نے اشارے سے بتایا۔

"یہ ہے نانو کا وائٹ ہاؤس۔" وہ کار سے اترا' بیدار بخت اس کی رہنمائی کر رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ حویلی کے گیٹ پر پہنچتے حویلی کا پھاٹک خود بخود کھل گیا بیدار بخت کے کزنز نانی ماں' نانو سب اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے پھر اجنبی اسفندیار پر نظر پڑی تو سب کی نگاہوں ہی میں سوال تھا بیدار بخت نے نانو سے گلے ملتے ہوئے اس کا پورا بائیو ڈیٹا بتا دیا تو نعمان نے کہا۔

"اچھا تو یوں کہیے نا' یہ آپ کے یار دلدار ہیں۔" اس نے بڑھ کر اسے بڑے مان سے بھینچ لیا تو اتنی بے تکلفی پر اسفندیار کے دل میں جو تھوڑی بہت اجنبیت تھی وہ بھی دور ہو گئی بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں وہ سب آ بیٹھے تو شام کی تقریب اور بیدار بخت کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ سب بڑوں کی طرف سے ایک ہی شکوہ ہوتا رہا۔

"بخت ایک شہر میں ہو کر بھی ملنے نہیں آتا' باپ کی طرح ہونا کوئی اچھی بات نہیں۔" اسفندیار سب کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہا تھا۔ اس لیے بیدار بخت کو ہی اپنے دفاع میں بولنا پڑا۔

"نانو بس مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ کہیں آنے جانے کا وقت نہیں ملتا' وگرنہ بھلا میں آپ سب سے کیوں دور رہوں گا آپ سب تو ای جان کے اتنے قریبی رشتے ہیں کہ میں دور رہ کر بھی مصروف ہو کر بھی آپ کو بھلانے کا سوچ بھی نہیں سکتا رہا بابا جان کی طرح کا اکھڑ مزاج ہونا تو مجھے واقعی اس معاملے میں بہت شرمندگی ہے کوشش کرتا ہوں خود کو بدلنے کی مگر ماضی کی تلخیاں مزاج میں حلاوت گھلنے ہی نہیں دیتیں۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا' تم ہمیں ہر روپ میں بھلے لگتے ہو خود کو اتنا تنہا مت سمجھا کرو بس یہ سوچو تم تنہا نہیں ہو ہم سب تمہارے لیے ہیں۔"

"نانو یہی میں اسے کہتا ہوں مگر یہ سمجھتا نہیں ہے اور اگر سچ پوچھئے تو بس یہی کمی ہے' جس نے اس کی شخصیت مسخ کر کے رکھ دی ہے یہ اعتماد کرنا سیکھ لے زندگی کو یقین کی طرح گزارے تو یہ اب بھی بہت کام کا ہے۔"

"بس بس کیا اب سب مل کر میرے بیٹے کے پیچھے پڑ جاؤ گے۔" نانی ماں نے انکل شہباز کے ہونٹ ملنے سے پہلے ہی اس کی وکالت کی تو اسفندیار کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور بیدار بخت نے سوچا۔

"کاش میں ان رشتوں کو محسوس کر سکتا' چھو سکتا' ان کے ساتھ ان کی طرح جی سکتا' ہنس سکتا' رونے کو دل چاہتا تو رو سکتا' مگر ابھی یہ بن باس پورا نہیں ہوا تھا' خوشیوں کی زنجیر میں کچھ کڑیاں کم تھیں ابھی اس نے انہیں جوڑنا تھا اس لیے خود بھی ادھوری زندگی گزارتے رہنے پر مجبور تھا۔"

"بخت بیٹا کیا سوچنے لگے۔" نانی ماں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے پوچھا تو اس نے سوچوں کو پھر سے مقفل کیا پھر دھیرے سے بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا تھا بس سفر کی تھکن کچھ غالب آنے لگی تھی۔"

"افوہ مجھے تو یہ خیال ہی نہیں رہا' چل اٹھ بچے جا کر نہا دھو تب تک میں چائے لگوا لی ہوں۔" نانی ماں نے کسی سے رائے لینے کی بجائے حکم صادر کر دیا تو وہ سب بیدار بخت کا شانہ تھپتھپاتے اپنے پیار کا یقین دلاتے اٹھ گئے۔

بیدار بخت اسفندیار کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا ہر سال نانو کی اس تقریب میں وہ جب بھی شریک ہونے آتا اسی کمرے میں رکتا پھر دوران تعلیم بھی کچھ عرصہ بھی وہ یہیں رہا تھا اس لیے در و دیوار کچھ اتنے غیر مانوس نہیں لگ رہے تھے ہاں البتہ اس کے طویل خاموش ہجر کی بابت ضرور پوچھ رہے تھے وہ الماری سے کپڑے نکالنے میں مگن تھا اور اسفندیار پائیں باغ والی کھڑکی کھولے تازہ ہوا سے سینے میں خوشبو سمیٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے گھر والے بہت پیارے' بہت محبت والے ہیں بخت' تم ہمیشہ کے لیے یہاں کیوں نہیں رہ جاتے دیکھو تو ایک ساتھ مل کر بیٹھ کر تمہارے چہرے پر نامحسوس طور پر زندگی دوڑنے لگی ہے' بائی گاڈ اتنے پیارے پیارے لوگوں سے خود کو دور رکھنا کسی بھی خیال خوف کے تحت ہی سہی نری دیوانگی اور ناشکرا پن ہے اس لیے یار بخت تم میری بات مانو اور واپس مت جاؤ۔"

"جانے کو دل چاہتا ہی کس کا ہے' مگر ہر دفعہ مجھے یہاں سے لوٹنا پڑتا ہے دلگرفتہ اور ملول سا ہو کر کیوں کہ یہ سب خوشیاں اس وقت تک میری نہیں ہیں جب تک مجھ سے منسوب کچھ اور لوگ زندگی سے خوشیاں کشید نہیں کر لیتے۔" وہ سفید کرتا شلوار ہاتھ میں لیے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچے چلا گیا اسفندیار نے اس کی غائب دماغی نوٹ کی تو شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنی بات دوبارہ دہرائی بیدار بخت نے سن کر رسان سے کہا۔

"تمہاری بات تمہاری خواہش اتنی غلط بھی نہیں' مگر اسفندیار یہ ممکن نہیں نہ میرے لیے نہ سب کے لیے۔" وہ کہہ کر باتھ روم کی سمت بڑھ گیا اور اسفندیار کھڑکی پر ہاتھ رکھے پائیں باغ میں گلاب' موتیے موگرے کی کھلے پھولوں کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ شام کی چائے کے بعد وہ سب ڈرائنگ روم میں پھر سے آموجود ہوئے مگر اس وقت سب کے چہروں پر خوشی اور ہاتھوں میں بوکے تھا۔ نانو اور نانی اماں ایک صوفے پر بٹھا دیے گئے تھے باری باری سب بوکے دینے اور وش کرنے اٹھتے تو نانو کے چہرے پر ملائمت مسرت ہلکورے لینے لگتی نانی ماں ممتا سے سب کو سینے سے لگا کر دعائیں دیتیں اسفندیار کو یہ سب خواب آگیں لگ رہا تھا۔ سو یکدم وہ اسفند کی طرف جھکا اور بولا۔

"دعا انسان کے لیے کس قدر انمول سوغات ہے' جیسے بندہ لمحوں میں بادشاہ ہو جائے۔" اسفندیار نے اثبات میں سر ہلایا پھر دونوں ایک ساتھ ہی اٹھے تھے نانی ماں نے دونوں کو بیک وقت سینے سے لگا لیا تھا پھر باری باری دونوں کی پیشانی چوم کر کہا۔

"تمام کٹھن مرحلوں سے شاد کام گزرو' کوئی غم نہ قریب بھٹکے صرف مسرتیں تمہاری زندگی کا انتساب ٹھہریں۔" بیدار بخت نے عقیدت سے نانی ماں کا ہاتھ چوم لیا اور اسفندیار نے نم نم آنکھوں سے دیکھا تو کہا۔

"آج کا دن بہت قیمتی ہے' نانی ماں لگتا ہے دنیا ہی میں جنت دیکھ لی' میری اب کوئی تمنا نہیں رہی۔" نانی ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے معتبر کر دیا وہ ان کے قریب سے اٹھا تو بے حد ہلکا پھلکا تھا۔ اس لیے جب ویڈنگ اینورسری کا کیک سجا کر ڈرائنگ روم میں بڑی میز پر لا کر رکھا گیا اور نانی ماں اور نانو نے مل کر چھری سے اس تجدید وفا کو دہرایا تو اسفندیار کی آواز دعا کرتی آوازوں میں سب سے زیادہ بلند تھی بیدار بخت اس کے انداز پر صرف دھیرے سے مسکرا رہا تھا مگر نیناں جو کل سے موقع کی تلاش میں تھی۔ کیک کی پلیٹ سمیت بیدار بخت کو کھینچتی باہر گارڈن کی طرف لیتی چلی گئی۔

پھر وہ دونوں ابھی سنگ مرمر کی بنچ پر بیٹھے بھی نہیں تھے کہ پشمینہ کالی کامدار ساڑھی میں سبک قدموں سے چلتی ان کی سمت چلی آئی بیدار بخت کا دل رکنے لگا اس کا حسن دیکھ کر وہ جانتا تھا پشمینہ بہت ساحر ہے اس لیے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ ملنے کی خواہش ہوتے ہوئے بھی نہیں ملتا تھا۔ فون سن کر بھی اس کی آواز سے اس کے خال و خد ترتیب نہیں دیتا تھا کہ کہیں اسے زندگی سے محبت ہی نہ ہونے لگے۔

"ہیلو بخت کیسے ہو؟"

"فائن۔" اس نے مختصراً کہہ کر نیناں کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا نیناں نے نگاہ کا مطلب سمجھا تو ہنس کر بولی۔

"جب سے آپ آئے ہیں تنہائی میسر ہی نہیں جبکہ میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتی تھی آپ کے متعلق آپ کے مستقبل کے متعلق آخر آپ کا پروگرام کیا ہے۔"

"کوئی خاص نہیں' لیکن کیا یہ سوال نانو نے ترتیب دیے ہیں۔"

"نہیں یہ تو صرف میرے اپنے ذہن کے ہیں دراصل میں آپ دونوں کو ایک ہی انداز میں ملتے بچھڑتے دیکھ کر تھک چکی ہوں میں کچھ چینج چاہتی ہوں۔"

"آپ کا مطلب ہے میں آپ کو چینج دینے کے چکر میں خود بور ہو جاؤں۔"

"کیا مطلب' مینا سے شادی بوریت کا سودا ہے۔" اس نے حیرت سے اسے دیکھا پھر رعب سے بولی۔

"بخت بھائی آپ زیادتی کر رہے ہیں میری بہن کے ساتھ' کوئی اور لڑکی اس طرح ہوگی جو بنا کسی عندیہ کے کسی خوش رنگ وعدے کے انتظار میں تمام جذبے آپ کے نام کر کے اتنی سخت زندگی گزارے کہ سوچ کر ہی وحشت ہونے لگے۔" بیدار بخت نے اس کی باتوں کو سوچا پھر آہستگی سے پشمینہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مینا میں خود چاہتا ہوں کہ تم ایک بھرپور زندگی گزارو۔"

"یعنی آپ چاہتے ہیں۔" نیناں نے خوشی سے جھومتے ہوئے درمیان میں کہا مگر اس نے نیناں کے شفق رنگ چہرے کو اور پشمینہ کی محبت لٹاتی نگاہوں کو دیکھے بغیر جملہ کچھ یوں مکمل کیا کہ دونوں ساکت رہ

میں۔

"یہ سراسر ناانصافی ہے بخت بھائی اتنے برس منگنی رہی اور اب آپ چاہتے ہیں کہ اس تعلق کو پلک جھپکتے میں توڑ دیا جائے آخر خرابی کیا ہے مینا میں اسے ریجیکٹ کرنے کی کوئی وجہ۔"

"کوئی وجہ نہیں' مینا ایک بہت پیاری وفاشعار لڑکی ہے مگر نیناں ابھی میں اپنے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا ابھی مجھے عظمی بھیا کے خاندان کو جوڑنا ہے کچھ غلط قاعدے قانون ٹھکرانے ہیں اور تم جانتی ہو یہ کام نہ آسان ہے نہ ہی میرے سامنے زندگی گزارنے کا کوئی ٹائم ٹیبل ہے اس لیے میں چاہتا ہوں مینا میرے نام پر اپنی زندگی برباد نہ کرے۔"

"لیکن جس انسان کی زندگی ہی ایک نام پر منحصر ہو وہ کیا کرے' آپ بااختیار ہیں فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن بخت یاد رکھیے کہ میری زندگی صرف آپ کی ذات سے منسوب ہے آپ انتظار کو وجہ ترک تعلق گردانتے ہیں' تو یقین کریں وقت میرے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتا میری خوشی آپ ہیں یا پھر کوئی نہیں یہی میرا آخری فیصلہ ہے' لیکن اگر آپ پھر بھی تانو سے بات کرنا ہی چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکوں گی نہیں۔" پشمینہ بھرائے انداز میں کہتی اندر کی طرف بڑھ گئی تو نیناں اس کے پیچھے لپکی بیدار بخت نے بینچ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد وہ نانی ماں کے پاس بیٹھ کر اس فیصلے سے انہیں آگاہ کرنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ نانی ماں نے اس سے پہلے ہی پشمینہ کا معاملہ چھیڑ دیا۔

"کیوں بچے کب لے کر جائے گا یہ امانت' پہلے تو تعلیم کا بہانہ تھا پھر تم نے کہا پہلے تمہیں سیٹ ہونے دیا جائے' میں نے اور تمہارے تانو نے یہ بھی مان لیا لیکن اب تو بہت وقت بیت گیا یہی تو عمر ہے زندگی گزارنے کی ابھی شادی نہیں کرو گے تو کب ارادہ ہے۔"

اس نے سوچا وہ کہہ دے' شادی کا کوئی ارادہ ہی کہاں اس کی زندگی کے پروگرام میں۔ مگر وہ کہہ نہ سکا نانی ماں کے لہجے میں خواب ہی اتنے تھے کہ اس سے ان کے لہجے میں دکھ گھولے ہی نہ گئے۔

"سوچوں گا نانی ماں' جو بھی فیصلہ ہوا آپ کو بتا دوں گا۔"

"ہاں بیٹا ضرور بتاؤ اب سب طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے شہلا تو اپنی ہے مگر رضا تو پرایا ہے وہ اس معاملے میں بہت اسٹینڈ لے رہا ہے بس کوئی حتمی تاریخ بتاؤ' تاکہ میں اس فرض سے تو سبکدوش ہو سکوں۔" وہ سر ہلا کر اٹھ گیا یوں وہ دونوں بقول اسفندیار کے بہت اچھا ویک اینڈ منا کر رات گئے شہر لوٹے۔

سارے راستے اسفند پشمینہ کی باتیں کرتا رہا کہ بیدار بخت نے ٹوک دیا۔ دونوں گھر لوٹے تو اسفند نے بات پھر وہیں سے شروع کر دی جو سارے راستے اس کا موضوع گفتگو تھی وہ پشمینہ اور اس کے کپل کے متعلق بہت زیادہ ہی انسپائر ہو کر اپنے خواب سنا رہا تھا بیدار بخت کچھ دیر تو اس کے شوخ جملے سنتا رہا مگر جب اس کے لہجے میں خوابوں کی ایک قطار ہی لگ گئی تو اس نے گلا کھنکارا پھر بولا۔

"تم جو سوچ رہے ہو وہ قطعاً" نہیں ہو گا اسفند' تم وہاں بھی اتنے محبت بھرے لہجے میں یہ سب کہہ رہے تھے' میں نے وہاں بھی تمہارے خوابوں کے ردھم کو توڑنا مناسب نہ سمجھا مگر حقیقت یہی ہے کہ میں مینا جیسی پیاری لڑکی کے قابل نہیں ہوں وہ خوشیوں' گیتوں' پھولوں کی باتیں کرنے کے لیے بنی ہے جبکہ میرے پاس سوائے زخموں' تلخ یادوں کے کچھ نہیں' وہ میری بنا دی گئی تو مجھے ڈر لگتا ہے میری محبت اس کے عشق کی شادابی' تازگی کو امربیل کی طرح چوس لے گی وہ مجھے پا کر مرجھا جائے گی جو میں نہیں چاہتا۔"

اسفندیار نے غور سے سنا پھر اس کی پشت پر آ کر دونوں کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا ہو جاتا ہے' اچھے بھلے موڈ میں آئے تھے فارم سے' جہاں تک میری سمجھ میں بات آئی ہے یہ سوچیں صرف تمہاری تنہائی تمہاری خود ساختہ جلاوطنی کی بدولت ہیں ارے بھئی زندہ ہو تو زندوں جیسی زندگی گزارو یہ جیت مات ان سب چکروں سے نکل کر جو صرف یہ سوچو اگر کسی گیم میں مات ہوتی بھی ہے' تو ایک تجربہ تو دے جاتی ہے کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہوتا ہے' بخت ڈو اینڈ ڈائے کے فارمولے پر عمل کرو چین سے زندگی گزارو گے۔" بیدار بخت خاموش رہا اور اسفند گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسفند کے رشتے پر اشرف عثمانی کو کوئی اعتراض نہیں تھا اس لیے بیدار بخت کا خیال تھا یہ رشتہ طے ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں اسے اشرف کے ہاں جانا تھا۔ مکمل فریش اور ڈریس اپ ہو کر وہ نیچے آیا تو عین اس وقت اسفندیار کو ہائی روف سے اترتے دیکھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو ابھی تو گئے تھے پھر چلے آئے کیا میری صورت دیکھے بنا کھانا ہضم نہیں ہوتا تمہارا۔"

"کچھ ایسی ہی بات سمجھو' دل کا معاملہ نہ ہوتا تو ہم سے زیادہ خود سر کوئی نہیں بقول شاعر۔ "ہم تم سے پیار نہ کرتے تو حکومت کرتے" بس سمجھو پیار میں حکومت کو ٹھوکر مار دی۔"

"یہ جملے بڑے غضب کے ہیں' مگر سنبھال کر رکھو عالیہ بھابی تمہارے ذوق اور لفظوں کے سحر پر تمہیں ضرور داد دیں گی۔" اسفندیار ہنستا ہوا اس کے لیے دوسرا دروازہ کھولنے لگا۔

مقررہ وقت پر اشرف عثمانی کے چھوٹے مگر قناعت اور شکر کے گارے مٹی سے بنے گھر میں داخل ہوئے اشرف عثمانی ان کے استقبال کے لیے باہر ہی کھڑا تھا۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے کے پہنچا بے بے جی اور سائرہ پہلے سے موجود تھیں بیدار بخت اسفندیار آرام سے بیٹھ گئے چائے کا دور چلا تو بیدار بخت نے توقف کیے بغیر اپنے آنے کا مدعا کہہ سنایا۔

بے بے جی کو اشرف عثمانی پہلے سے اس معاملے سے آگاہ کر چکا تھا اس لیے انہیں اس سوال سے قطعاً" حیرت نہ ہوئی سلسلہ طے کرنے کے لیے مختلف باتوں کا سہارا لیا گیا اسفندیار کی تعلیم ملازمت کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس کے والدین کے متعلق

چھان بین کی گئی اشرف عثمانی اس سوال سے گریزاں تھا مگر بے بے جی اسی سوال کو سب سے اہم سوال گردانتی تھیں اس لیے بیدار بخت نے پروقار انداز میں کہا۔

"اسفندیار کے والدین اس کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے بے بے جی۔" بے بے جی نے اسے دیکھا پھر کہا۔

"ٹھیک ہے' والدین نہ سہی کوئی خاندان کا اور بڑا شخص تو ہوگا دراصل اس وقت یہ شادی صرف لڑکے لڑکی کا معاملہ نہیں دو خاندانوں' دو تہذیبوں کے میل کا نام ہے اس لیے میں جاننا چاہتی ہوں کہ اسفند بیٹا اور ہمارا آپس میں جوڑ بھی بنتا ہے یا نہیں پھر جس شادی میں بزرگ نہ ہوں وہ شادی بہت جلد بدگمانی ناپائیداری کا شکار ہوجاتی ہے بزرگوں کی دعائیں مشورے زندگی کو سہل بنادیتے ہیں بخت بیٹا۔"

"میں جانتا اور آپ کی یہ بات مانتا ہوں' مگر یہ بھی تو دیکھیے اسفند عام نوجوانوں کی طرح لاابالی متلون مزاج نہیں' یہ ہر معاملے میں میچورڈ انداز فکر رکھتا ہے' والد ایک مل میں ورکر تھے جہاں ایک حادثے میں ان کی وفات ہوگئی والدہ اس کی ولادت کے چھ ماہ بعد ہی راہی ملک عدم ہوگئیں خاندان میں کوئی رشتہ ناتا تھا نہیں اس لیے محلے کے کچھ لوگ اسے چلڈرن ہوم میں داخل کراگئے تمام بچپن اور عمر کا کچھ حصہ اس کا وہیں گزرا مگر اس نے پھر بھی خود کو ناکارہ انسان نہیں سمجھا' تعلیم حاصل کرتا رہا پھر فرسٹ ایئر میں تھا کہ فوج میں اپلائی کردیا اور آج اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر فوج میں ایک اچھے عہدے پر ہے۔

رہی کسی معتبر شخص کی اس کے بارے میں گواہی تحفظ تو وہ میں آپ کو دے سکتا ہوں آپ سمجھیے اسفند صرف میرا کولیگ' دوست ہی نہیں مجھے اپنے بھائیوں کی طرح عزیز ہے' خان وجاہت اللہ آفریدی میرے والد ہیں اور میرا نہیں خیال یہ حوالہ اتنا بے معنی اور لایعنی محسوس ہوگا آپ کو۔" بے بے جی نے کچھ کہا نہیں جواباً "البتہ کچھ وقت مانگا سوچنے کے لیے اور بیدار بخت' اسفندیار سرہلا کر اٹھ گئے' جب وہ

دونوں گھر آئے تو اسفندیار' عادت کے مطابق اس کی آنکھوں سے نتائج نکالنے پر کمر بستہ تھا بیدار بخت کچھ دیر تو ہوں ہاں کرتا رہا پھر مدلل انداز میں بولا۔

"جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ کنفیوژ ہوگئی ہیں خاندان اور ذات پات میرے خیال میں بہت خیال رکھتی ہیں مجھے لگتا ہے وہ آسانی سے نہیں مانیں گی۔"

"تو پھر کیا ہوگا یار۔" وہ بدحواس نظر آنے لگا تو بیدار بخت نے ہنس کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"ہونا کیا ہے کیپٹن اسفندیار' تمہاری اس شادی کے لیے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

دو تین دن اس امید و بیم کی کیفیت میں گزرے' چوتھے دن بیدار بخت تنہا گیا ان کے گھر بے بے جی نے واضح لفظوں میں انکار کردیا تو وہ چند لمحے تک تو ساکت رہا پھر بولا۔

"بے بے جی آپ بتائیے اسفند میں کوئی شخصی یا کوئی اخلاقی برائی ہے۔"

"نہیں وہ ایک تہذیب یافتہ اور مخلص نوجوان ہے۔" انہوں نے برملا تعریف کی تو اس نے ان کے تعریفی لفظوں سے اپنے لیے لائحہ عمل ترتیب دیا پھر بولا۔

"وہ ایک ویل مینرڈ ویل ایجوکیٹڈ نوجوان ہے' یہ بات آپ مانتی ہیں تو پھر محض خاندان ذات پات کا اسٹینڈ کیوں لے رہی ہیں آپ' یہ تو سوچیے آپ بھی مسلمان ہیں اور وہ بھی الحمدللہ ایک اللہ ایک رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا ہے وہ ہستی جنہوں نے آقا' غلام کو ایک صف میں بٹھادیا پھر فرمایا "تم سب برابر ہو اللہ کی نظر میں' ہاں صرف وہ لوگ جو تم میں زیادہ متقی ہیں وہ معزز ہیں اللہ کے سامنے" آپ کو یاد ہوگا جب میرے سرکار نے کعبہ میں رکھے بت توڑنے کا حکم دیا تھا تو فرمایا تھا۔

"حق آیا باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔"

پھر بے بی جی یہ ذات پات رسم و رواج کے صنم کیوں دل کے معبد کی پاک فضا کو آلودہ کررہے ہیں مسلمان ہمیشہ بت شکن رہا ہے پھر یہ بت ہماری زندگی

میں اتنے کیوں چھاگئے ہیں کہ ہم انسانوں پر ان کو فوقیت دیتے ہیں' آپ ہی کہیے آپ کا یہ انکار کس رو' کس حکم سے درست ہے۔"

بے بے جی نے گھبرا کر سر اٹھایا یہ تو سوچا ہی نہیں تھا انہوں نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو رد کردینے سے وہ واقعی ان لوگوں میں شامل ہونے جارہی تھیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ اور رسولؐ کے پیغام کو حاصل کیا مگر زندگی پر لاگو کرنے کی بجائے جھٹلا دیا بھلا دیا۔

"مجھ سے بھول ہوگئی بخت بیٹا' میں واقعی دنیاداری کے تناظر میں سوچنے لگی تھی کچھ دنوں کے لیے بھول گئی تھی کہ دنیا پالینا عقبیٰ کی قیمت پر بہت گھاٹے کے سودا ہے مجھے اسفندیار کا رشتہ منظور ہے وہ ایک نیک انسان ہے اس لیے میری بچی کے لئے اچھا شوہر ثابت ہوگا' سوچتی ہوں' ہم جن لوگوں کو جانتے ہیں عزیز رشتہ داروں میں وہاں پر لڑکے لڑکیوں کی شادیاں کرکے بھی تو زک اٹھاتے ہیں پھر کیوں نہ اس بار جان لینے کے یقین کو بھی آزمالیا جائے' نیک ارادہ ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بے بے جی' یقین کیجئے اللہ تعالیٰ کے سہارے پر جو کام کیے جائیں وہ زیادہ کارگر اور کامیاب رہتے ہیں بس آپ اللہ کا نام لے کر نکاح کردیں دراصل میں چاہتا ہوں اسفند کی شادی دسمبر کے مہینے میں انجام پائے تاکہ نیا سال اس کے لیے خوشیاں لے کر آئے۔"

"اللہ تمہاری دعا پوری کرے میں آج اشرف سے بات کرلوں پھر ایک دو دن میں تاریخ کے لیے حتمی جواب دوں گی۔"

بے بے جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ بھی اجازت لیتا بہت خوشگوار موڈ میں اٹھا پھر آدھے راستے میں تھا جب اچانک اس کا دل چاہا وہ نانو کے ہاں چلا جائے فارم ہاؤس کی دو شامیں اسے ابھی تک یاد تھیں اس کے بعد صرف ایک بار جاسکا تھا۔ پچھلے تین چار ماہ سے تو اس نے فون پر بھی خیریت دریافت نہیں کی تھی۔

پھر نانا جان کی بڑی سی کوٹھی کے سامنے اس نے اپنی کار روکی بھی نہ تھی کہ اس کی نظر گیٹ پر کھڑی وائٹ ہائی روف پر جا ٹھہری وہ کار پارک کرکے حیرت زدہ سا باہر نکلا اور دماغ نے بے ساختہ سوچا۔

"تو یہ اسفندیار چپکے چپکے یہاں تعلقات بنانے میں لگا ہے تب ہی تو کہوں اب میری طرف توجہ اتنی کیوں نہیں دیتا نہ صبح پک کرنے آتا ہے نہ شام گئے ڈراپ کرنے کی آفر کرتا ہے میں تو سمجھ رہا تھا یہ سب عالیہ بی بی کا کرشمہ ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔" وہ بڑبڑاتا آگے بڑھا۔ اور تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اپنا نام سن کر تھم گیا نیناں اسفندیار سے مخاطب ہو کر اسے کچھ دکھا رہی تھی اس کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

"ہوں یہ عظمت بھیا ہیں اور یہ ہماری بھابی ہیں' انہیں ہم سب بی بی ماں کہتے تھے دراصل سب سے بڑے تھے نا عظمی بھیا بہت کیئرنگ' بہت محبت کرنے والے تھے' مگر ایک ذاتی دشمنی کا نشانہ بن گئے نانو عظمی بھیا کی ڈیتھ پر گئے تھے میں بھی تھی ان کے ساتھ بی بی ماں بہت سہمی ہوئی بہت خوفزدہ تھیں مجھ سے انہوں نے پہلی بار بات نہیں کی تھی پھر ہم واپس آگئے وہ عدت میں تھیں پھر پتا چلا اچانک بی بی ماں حویلی سے اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں چلی گئیں بہت ڈھونڈا نانو نے' مگر ہم انہیں پھر کبھی نہ دیکھ سکے ارے اسفند بھائی' آپ کہاں کھوگئے؟"

"کہیں نہیں دراصل میں یہ تصویر دیکھ رہا تھا تمہاری بی بی ماں واقعی بہت سویٹ لگ رہی ہیں۔" اسفندیار کے لہجے کا جوش مدھم ہونے لگا تو وہ واپس ہوگیا جو ماضی وہ اسفند سے اتنی طویل رفاقت کے باوجود چھپاتا آیا تھا نیناں نے کتنی جلدی افشا کردیا تھا۔ کئی باتیں دماغ میں اٹھ رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے نیناں نے البم اسفندیار کو نہیں دکھایا تھا بلکہ اس کی یادیں گرد جھاڑ پونچھ کر پھر سے تازہ کردی تھیں۔

وہ کار تیز رفتاری سے چلاتا گھر آیا ڈریس چینج کرکے کچھ دیر تو ٹیرس پر کھڑا رہا پھر بور ہو کر واپس کمرے میں بیڈ پر آکر بیٹھ گیا سگریٹ جلا کر وہ اس کے دھوئیں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"بیدار بخت در حقیقت تم بھی اس سگریٹ کی طرح جل رہے ہو' اندر سے بے آواز بنا دھوئیں کے اتنی خاموشی سے کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی شاید تم خود بھی تو نہیں جانتے کہ تم گیلی لکڑی کی طرح جل جل کر راکھ ہوگئے ہو صرف ایک پھونک تمہیں زمین کی وسعتوں میں گم کرسکتی ہے مگر تم اس آگہی سے شاید آنکھیں چراتے ہو'
تم ان لوگوں میں سے ہو جو ذرہ ہو کر بھی خود کو مضبوط چٹان ثابت کرتے رہتے ہیں مگر حقیقت کیا ہے کچھ نہیں ہے۔" اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں وہ دماغ میں اٹھتی سوچوں کے ساتھ ساتھ نامحسوس طور پر اسفندیار کی طوفانی آمد کا منتظر تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا اس نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا شام کے سات بج رہے تھے وہ پھر سے ٹیرس پر نکل آیا۔
سامنے صاف وشفاف سڑک پھیلی تھی اس کا روم روم جل رہا تھا ماضی کے آتشدان کی راکھ کریدنے میں ہاتھ روح دل سب جلے چلے جارہے تھے اطراف میں نسوانی چیخوں کا ایک نہ ختم ہونے والا حصار تھا جو لمحہ لمحہ اسے بھینچے جارہا تھا وہ گھبرا گیا کمرے میں لوٹا تو الماری کھول کر وہی پرانا البم لے کر بیٹھ گیا لہو رنگ تصویروں سے اپنے دل کو اذیت دینے لگا۔
جانے کتنا ہی وقت یونہی گزر گیا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اسفندیار خاموشی سے اس کے سامنے کرسی پر آبیٹھا بیدار بخت نے اسے دیکھا اور کچھ بھی نہیں بولا اسفندیار نے ہی کمرے کی خاموشی محسوس کرکے کھنکار کر کہا۔
"میں آج نانو کے ہاں گیا تھا وہاں نیناں نے پرانے البمز نکال لیے بچپن میں تو تم بہت خوب صورت ہوتے تھے یہ بڑے ہو کر کیسے ہوگئے۔" بیدار بخت نے گھورا تو آہستگی سے بولا۔
"عظمی بھیا والا معاملہ کیا ہے؟ بخت آج میں نے وہاں عظمی بھیا کی تصویر دیکھی وہیں ان کے ساتھ ایک تصویر میں بی بی ماں بھی کھڑی تھیں یہ بی بی ماں سامنے کے بنگلے میں رہنے والی ڈاکٹر مہر تاباں ہی ہیں ناں۔"
بیدار بخت جس سوال سے گھبرا رہا تھا وہ سوال اسفندیار نے پوچھ لیا [illegible] لکیریں کھنچ گئیں بروقت اس نے اثبات میں سر ہلایا تو اسفندیار نے اس کا ہاتھ تھام لیا پورے مان سے پھر بولا۔
"بخت ہم اتنے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں' میں نے ہمیشہ تمہارے سامنے خود کو کھلی کتاب کی مانند رکھا مگر تم نے خود کو شروع سے مجھ سے چھپا کر رکھا' میں نے خود سے بھی پیش قدمی نہیں کی کیوں کہ میں زبردستی کا قائل نہیں میں نے اپنے سوالوں کے جواب میں تمہاری خاموشی پر یہی سوچا تم مناسب سمجھو گے تو اپنی بابت خود ہی بتادو گے۔
پھر جس دن تم مجھے نانو کے فارم پر لے کر جانے کو تیار ہوئے تو میں نے سوچا شاید تم خود کو مجھ پر عیاں کردو گے' یعنی تم میری محبت مان کر مجھے اپنے خاندان سے متعارف کروا دینا چاہتے ہو مگر ہم جب گھر لوٹے تو تم پھر سے وہی ہوگئے۔ نانو کے ہاں کبھی پلٹ کر نہیں گئے۔
مگر مجھے تمہاری طلب تم سے بھی زیادہ تھی اس لیے کہ میں تمہیں مکمل دیکھنا چاہتا تھا تم مجھے بکھرے بکھرے دکھائی دیتے تو تم نہیں جانتے میں کتنے ضبط اور صبر کے مقام سے گزرتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب حالات نے تمہیں سمجھنے تعلقات واضح کرنے کے لیے مجھے نانو کا حوالہ دیا تو میں ہر روز وہاں جاتا رہا اور بخت یقین کرو ہر روز میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کہیں زیادہ پائی اور آج طویل انتظار کے بعد تمہاری شخصیت کا یہ رخ مجھ پر کھلا ہے تو میرا حق ہے تم مجھے بتاؤ یہ کیا گورکھ دھندا ہے کون سی مجبوریاں ہیں جو تم اتنے قریب ہو کر بی بی ماں کو بی بی ماں نہیں پکار سکتے۔"
وہ چپ ہوا تو اس نے دیکھا وہ ساکت بس اسے ہی سنے جارہا تھا بظاہر وہ اس کے سامنے تھا مگر دل و دماغ کہیں اور گم تھے اسفندیار نے یہ حالت دیکھی تو پریشان ہوگیا۔
"بی ایزی بخت' اگر نہیں چاہتے تو نہ بتاؤ تم اپنے ماضی کے بغیر بھی میرے بہت اچھے دوست ہو خود کو یوں ہلکان مت کرو' میں نے تو یہ سب اس لیے کہا تھا تاکہ تمہارے اندر جو گرہ پڑگئی ہے وہ کھل جائے تم زندگی کو زندگی سمجھ کر گزارو عذاب نہیں۔"
بیدار بخت نے آنکھوں میں آجانے والے آنسو پیتے ہوئے کہا۔
"مجھ پر تمہارا کتنا حق ہے' اس کا کوئی پیمانہ نہیں مگر یہ حقیقت ہے اسفند کہ تم میری زندگی میں بہت اہم عنصر ہو' جیسے جینے کے لیے سانس' دل کے لیے دھڑکن' رہی ماضی کی باتوں کو کور ڈرلنے کی بات تو میں نے یہ سب اس لیے کیا کہ مجھے لگتا تھا اگر میں نے یہ سب تمہیں بتادیا تو تم بھی مجھ سے نفرت کرنے لگو گے وہی نفرت جو مجھے خود اپنے آپ سے ہے' مگر آج تم نے اتنے یقین سے پوچھ لیا ہے تو میں یہ رسک لینے کو بھی تیار ہوں ڈو اینڈ ڈائے زندگی گزارنے کا بالکل درست فارمولا ہے۔"
وہ لمحہ بھر کو رکا پھر آہستگی سے سامنے بند پڑے البم کو کھول لیا پھر لفظ واقعات کی صورت میں کمرے میں بکھرتے چلے گئے وہ سب جو خاتون زبیدہ اور امی کے ذریعہ اس تک دکھ کی میراث کی طرح تقسیم ہو کر پہنچے تھے وہ کہہ رہا تھا دل گیری سے۔
"میری والدہ شہر کی ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں اس لیے تمام ننھیالی رشتہ دار اونچے عہدوں کے ساتھ ساتھ روشن خیال بھی تھے میرے بابا جب میری امی سے اپنے ایک کیس کے سلسلے میں بحیثیت فریق کے ملے تو وکالت کے تمام اسرار و رموز سے مزین میری والدہ بھی ان کی اصلیت نہ جان پائیں ان کی دیوانگی کو ان کی محبت پر محمول کرتی رہیں یہاں تک کہ جب یہ رشتہ باقاعدہ طور پر طے ہوا تو خاندان میں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا سب کی نظر میں بابا بہترین جیون ساتھی ثابت ہورہے تھے سو سب نے دعاؤں میں میری والدہ کو بابا کے سپرد کردیا۔
بابا جب تک شہر میں رہے ان کا ملمع چڑھا رہا مگر گاؤں آتے ہی انہوں نے اپنا چولا بدل لیا تو امی سکتے کی کیفیت میں کچھ کہہ ہی نہ سکیں ان کے لبوں کو ایک چپ سی لگ گئی یہاں تک کہ نجمہ چچی شہر سے اپنے شوہر اردشیر اور بیٹے عظمت اللہ کے ساتھ آئیں تو امی پہلی بار جینے والوں کی طرح جینے لگیں مگر بابا امی کی اس خیر سگالی کو بہت غصے سے دیکھتے مگر امی ان کے اس غصے کو ہمیشہ نظر انداز کرجاتیں۔
وقت گزرتا گیا عظمت بھیا پندرہ برس کے تھے جب میں نے دنیا میں آنکھ کھولی اور محسوس کیا عظمت بھیا کی محبت میں بہت شدت تھی میں یہ نہیں جانتا تھا کہ عظمت بھیا مجھ سے کتنی محبت کرتے تھے مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ میرا دل عظمت بھیا کے سینے میں دھڑک رہا تھا وہ ہنستے تو میں ہنستا وہ روتے تو میں روتا' میرا سونا جاگنا عظمت بھیا کو دیکھ دیکھ کر تھا۔
زندگی بہت پرسکون تھی جب اچانک اردشیر چچا پر شہر جاتے ہوئے نامعلوم افراد نے فائرنگ کردی نجمہ چچی خوب چلائیں انہوں نے برملا بابا کو موردِ الزام ٹھہرایا امی جان نے پوچھا تو انہوں نے بڑی دل گیری سے بتایا کہ بابا نجمہ چچی سے شروع سے شادی کے خواہش مند تھے مگر ان کے انکار کے بعد وہ اس ارادے سے باز آگئے تھے لیکن جب اردشیر چچا نے نجمہ چچی سے شادی کرلی تو بابا انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ انہیں یہ موقعہ سولہ سال بعد اچانک مل گیا۔
کچھ لوگوں کا خیال تھا بابا نے یہ قتل نجمہ چچی کے علاوہ چچا کے نام جائیداد اور زمینوں کی وجہ سے بھی کیا تھا بابا کبھی کسی کام میں کسی کو شیئر نہیں کرتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی فطرت کے تحت یہ قدم اٹھالیا نجمہ چچی عدت میں بیٹھ گئیں پھر یہ وقت گزرا تو ان کے گھر والے جو بابا کے خاندان سے ہی تھے انہیں لینے آئے مگر بابا نے برملا انکار کردیا ان کا خیال تھا ان کی حویلی میں جو ایک بار بہو بن کر آجائے وہ ان کی عزت و ناموس بن جاتی۔
کسی کو یہ بات سمجھ نہیں آئی مگر اسفند' جب ان کے لفظوں نے حقیقت کا جامہ پہنا اور انہوں نے نجمہ چچی سے شادی کرلی تو عظمت بھیا اور امی گنگ رہ گئے نجمہ چچی کے گھر والے مالی طور پر اچھی پوزیشن کے لوگ نہیں تھے اس لیے ان کا یہ وار بھی سہہ گئے نجمہ چچی اپنی قسمت پر رو دھو کر چپ ہوگئیں پھر میں دو سال کا تھا جب لالہ ہماری زندگی میں آئی عظمت بھیا

کی محبت میرے لیے اب بھی ویسے ہی تھی مگر پھر بھی مجھے لگتا جیسے کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے عظمت بھیا میری سوچ کے برخلاف مجھے اور لالہ کو خوب گھماتے پھراتے پھر بھیا شہر پڑھنے چلے گئے وہ جب بھی آتے شہر کے قصے سناتے میں اور لالہ انہیں گھیرے رہتے۔

عظمت بھیا ایک بار چھٹیوں میں گھر آئے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہم دونوں ہنگامہ ہوتے سن رہے تھے مگر جان نہیں پا رہے تھے کہ وجہ کیا ہے پھر اگلی بار عظمت بھیا لوٹے تو ان کے ساتھ نیلم پری جیسی ایک شہزادی بھی تھی انہوں نے کہا۔

"یہ تمہاری بی بی ماں ہیں بخت۔" عظمت بھیا نے شہر میں شادی کر لی تھی ان کی بیوی ڈاکٹر تھیں ممتا کی محبت ان کے ہر روم سے پھوٹ رہی تھی اور میں کم عمر کا بچہ ایک سانس میں اس ممتا کے سمندر سے سیراب ہونے ان سے چمٹ گیا بی بی ماں' امی اور چھوٹی امی کے بعد ہمارا بہت مضبوط سہارا تھیں ہم سب آپس میں بہت خوش تھے کہ ایک دن چھوٹی امی سو ئیں تو دوبارہ نہیں اٹھیں عظمت بھیا اس دن ہم دونوں کو بھینچ کر زمین آسمان ایک کر کے روئے امی نے انہیں سینے سے لگا لیا۔

عظمت بھیا نے امی کے مان کو کبھی نہیں توڑا' ایک بڑے بیٹے اور بھائی کا کردار بااحسن وخوبی ادا کیا یہاں تک کہ ہماری زندگی میں دانیال بھی آگیا۔ وہ مجھ سے صرف پانچ سال چھوٹا تھا اس لیے میرا بہترین دوست تھا بی بی ماں میرے اور اس کے ناز اٹھاتیں سو امی کو یہی بات مطمئن کر گئی اور وہ چند دنوں ہی میں صدیوں کا سفر کر کے ہماری زندگی سے خوشبو کی طرح اڑ گئیں۔

زندگی اسی لگی بندھی ڈگر پر چل رہی تھی عظمت بھیا مجھے دانیال' لالہ کو زندگی سے ٹکر لے کر جینے کا سبق دیتے وہ اصول پر رشتے ناتوں کو زیادہ اہمیت دیتے وہ سمجھتے تھے کہ اصول اور محبت ہی زندگی کو بامعنی کرتے ہیں ورنہ جیتے تو جانور بھی ہیں شجر بھی ہیں یہی تو ایک معراج ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرتی ہے۔

وہ کہتے رہتے اور میں لالہ دانیال بہت غور سے ان کی باتیں سنتے سمجھتے' مگر بابا ہمارے اس ننھے کم سن گروپ کی عام سی باتوں سے بھی چڑنے لگے تھے برخلاف ان کے' عظمت بھیا ایک کشادہ دل کشادہ ذہن رکھنے والے خان تھے اس لیے کم عمری ہی میں ان کی جڑیں بہت دور تک عوام میں تھیں اور اصل میں بابا کو یہی بات بہت کھلتی تھی۔

بابا نے ہمیشہ بغاوت کو بزور طاقت کچلا تھا مگر عظمت بھیا ہر ایک کو توجہ سے سنتے جس کا موقف صحیح لگتا اس کی بات تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے' پھر فوج کی ٹف ٹریننگ نے بھی انہیں انسان کو انسان سمجھنے کا ہنر دے دیا تھا اس لیے عظمی بھیا بہت کم باتوں پر کمپرومائز کرتے' یہی وجہ تھی جب بابا نے چھوٹے چچا کی زمین زبردستی اپنے نام ٹرانسفر کروانے کی کوشش کی تو وہ اڑ گئے' میں اس وقت دس برس کا تھا مگر عظمی بھیا کی تربیت نے مجھے دس سال آگے تک کا تجربہ دے دیا تھا اس لیے میں بخوبی سمجھ رہا تھا عظمی بھیا نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا تھا۔

"زمین جائیداد حکومت میری کبھی طلب نہیں رہی میں سب کچھ آج چھوڑ کر جا سکتا ہوں' کیوں کہ میں زندگی گزارنا جانتا ہوں لیکن میں ایسا صرف بخت' لالہ اور ان بے شمار لوگوں کے مستقبل کے لیے کر رہا ہوں جو میرے جانے کے بعد آپ کے رحم و کرم پر رہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

جو زمین میرے والد کی ہے وہ قانون کی رو سے میری ہے' اس لیے آپ کی سخت روی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں یہ زمین اپنے زیر انتظام ہی رکھوں میں نہیں چاہوں گا بابا' کہ آپ میری زمین پر کام کرنے والے مزارعوں کو بھی زندگی سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیں میں ان کے لیے زندگی سہل کرنا چاہتا ہوں۔"

بس اسفند یہیں سے ہماری زندگی میں خونیں باب کھلا بابا نے ایک جھوٹے جھگڑے میں چچا جان کی طرح عظمی بھیا پر بھی فائرنگ کروا دی فائرنگ دونوں اطراف میں جرگے کے دوران ہوئی تھی دونوں طرف کے افراد ہلاک ہوئے تھے اس لیے کشیدگی سے ہٹ

کر کسی نے یہ نہیں سوچا کہ یہ بابا کی سازش بھی ہو سکتی ہے۔

عظمی بھیا کے بعد بابا نے سارا انتظام خود سنبھال لیا کسی نہ کسی طرح اس کشیدگی کو بھی رفو کر دیا مگر ہمارا جو نقصان ہو گیا تھا وہ تو کبھی نہیں پورا ہو سکتا تھا تمام عمر ساتھ نبھانے کی قسم کھانے والے عظمی بھیا ہماری زندگی سے نکل گئے باد صبا کے جھونکے کی طرح بی بی ماں عظمی بھیا کی اچانک موت پر دیوانی ہو گئیں مگر جب ہوش و خرد میں آئیں تو ان کے سامنے بابا کی ایک تجویز تھی پاگل پن کی انتہا کو چھو لینے والی تجویز' بابا خاندان کے بزرگ بنے جرگے کا فیصلہ سنا رہے تھے۔

وہی صدیوں پرانا' فیصلہ نجمہ چچی پر کیے جانے والے ظلم کو دوبارہ دہرانے کی باتیں کر رہے تھے اور ان کی اس تجویز کا واحد مرکز میں تھا "بی بی ماں اور میں" یہ ایک ناممکن بات تھی دانیال اور میں نے ایک ساتھ ان کی گود میں شعور کی حدوں میں قدم رکھا تھا پھر بھلا یہ سب کیسے ہو سکتا تھا میں ان سے شادی کیسے کر سکتا تھا مگر بابا کا ضدی لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ یہ کام ہر صورت میں انجام دیں گے سو میں اور لالہ چھوٹے ہونے کے باوجود اس بارے میں سوچتے رہتے یہاں تک کہ خانم زبیدہ جنہوں نے قدم قدم پر امی کی خاص ملازمہ ہونے کا ثبوت دیا تھا اور جنہوں نے ان کے بعد بھی ہماری پرورش میں عظمی بھیا اور بی بی ماں کے ساتھ جان ماری تھی اس لمحے میں ہمارے کام آئیں ان ہی کے توسط سے بابا کا ایک قریبی ملازم ضیغم سکندری جو ظاہری طور پر بابا کا ساتھی تھا مگر دل سے عظمی بھیا کے طریقہ زندگی کا حامی تھا اس لیے اس نے اس کڑے وقت میں ہماری مدد کی ہامی بھر لی۔

بی بی ماں ان دنوں عدت میں تھیں مگر موقعے بار بار نہیں ملا کرتے اس لیے میں نے اور لالہ نے انہیں رات کے اندھیرے میں الوداع کیا' ضیغم سکندری نے رات کی خاموشی میں چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر بی بی ماں کو ان کے شہر پہنچا دیا بابا نے زمین و آسمان ایک کر دیا بی بی ماں تو کہیں نہیں ملیں مگر بابا کو

اس سازش میں کردار ادا کرنے والے ضیغم سکندری خانم زبیدہ کے نام پتہ چل گئے بابا غصے میں بل کھا رہے تھے اس لیے انہوں نے سرعام ضیغم سکندری کو بھوکے کتوں کے آگے ڈلوا دیا۔

بی بی ماں کے چلے جانے سے حویلی پھر اندھیری کوٹھری بن گئی تھی میں اور لالہ ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی تھے مگر بابا کو ہمارا یہ ساتھ بھی نہ بھایا انہوں نے مجھے شہر کے ایک اسکول میں داخل کروا دیا میں زبردستی لالہ سے جدا کر دیا گیا وہ تو ویسے ہی سہمی ڈری ہوئی لڑکی تھی سو میری جدائی اور تنہائی نے مل کر اسے نیم ذہنی مریض بنا دیا میں شہر سے جب بھی گاؤں جاتا تو لالہ کو حویلی میں کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح ٹہلتے ہوئے دیکھتا میں اسے پکارتا تو وہ چونک کر مجھے حیرت سے دیکھتی پھر بڑی ہوک سے کہتی۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ شہر لے جاؤ۔" اسے بھی پڑھنے کا شوق تھا مگر بابا نے اس کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دی

وہ مجھ سے آگے پڑھنے کی بھی ضد کرتی مگر میں اس وقت خود بابا پر انحصار کرتا تھا اس کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا۔

سو وقت گزرتا گیا میں نے پری انجینئرنگ ہی میں فوج میں اپلائی کر دیا نانو کی وجہ اور قابلیت سے مجھے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا سو میں اپنے مشن پر جتا رہا پھر جس دن مجھے کمیشن ملا میں اس دن گاؤں گیا میں سمجھتا تھا کہ میں' اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہوں اب نہیں چاہتا تھا کہ لالہ اس گھٹے ہوئے ماحول میں ایک پل بھی گزارے اس لیے میں حویلی میں داخل ہوا تو میں بلاخوف و خطر بابا کے سامنے جا پہنچا۔ بابا مجھے دیکھ کر چلائے۔

"تم انجینئرنگ پڑھ رہے تھے یہ فوجی وردی میں کیسے۔" میں نے دل کڑا کر کے وجہ بتائی' میں نے اتنے برس سے جو زہر خود میں اتارا تھا اس کی معمولی سی مقدار لفظوں میں ملا کر بابا کے سامنے اگل دی تو بابا گھنٹوں کچھ کہہ نہ سکے پھر دوسرے دن میں اور لالہ کھانا کھاتے ہوئے اپنے مستقبل کے بارے میں

خواب بن رہے تھے کہ بابا نے لالہ کے سامنے رکھی پلیٹ اٹھا کر زمین پر دے ماری پھر چلائے۔

”آج تک کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ خان وجاہت اللہ آفریدی کو نیچا دکھا سکے چیلنج کر سکے اور تم بیدار بخت تم تو میرے بیٹے ہو‘ پھر تم نے کیسے سمجھ لیا باپ کے مقابلے میں بیٹا میدان مار لے گا۔“ میں نے بابا کو مطمئن انداز میں دیکھا پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

”بابا میدان جنگ میں عمر سے کہیں زیادہ قوت فیصلہ کی سوچ کامیابی دلا سکتی ہے‘ اور میں اب ان باتوں کو جانتا ہوں۔“ بابا نے سنا تو ہنکارا بھرا اور میں نہیں سمجھ سکا وہ اپنی جیت میں کیا کیا نہیں داؤ پر لگا سکتے۔

درحقیقت میں بابا کی سوچ کو پڑھ ہی نہیں سکا تھا اسفند اس لیے میں سکتے میں رہ گیا‘ بابا نے میرے سامنے لالہ اور اپنے ایک ذاتی دشمن کے بیٹے کو گولیوں سے بھون دیا بابا نے جو الزام لالہ کی لاش سے منسوب کیا اسفند اس نے مجھ میں زہر انڈیل دیا میں خاموش تھا بت کی طرح اور لالہ کی خاموش آنکھوں میں مجھ سے زیادہ غم تھا اس کے گلابی رخسار زرد تھے۔

وہ بیس برس کی لڑکی جو میری ماں جائی بھی تھی میری بیٹی بھی میری زندگی بھی وہ مجھ سے زبردستی چھین لی گئی آخری لمحات میں کیسے بھلاؤں اسفند میں بھولنا چاہتا ہوں‘ مگر ایک ایک کرکے سارے لمحے سامنے آجاتے ہیں‘ وہ کس قدر کرب سے چھوٹی امی بڑی امی کو پکار رہی تھی اور میں کیسے بے حال ہو کر اسے ہاسپٹل لے جانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا مگر میری بابا کے آگے ایک نہ چلی۔

اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے اگر میں اسے شہر لے جانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو تب بھی وہ آدھے راستے میں دم توڑ دیتی ہمارا علاقہ سنگلاخ ہی نہیں دشوار گزار بھی ہے ناں‘ مگر اسفند زیادہ سنگلاخی دلوں میں ہے یا شاید صرف‘ میرے بابا ہی بہت بے درد اور کٹھور تھے ورنہ میرے عظمت بھیا‘ اردشیر چچا اور میں بھی تو وہیں کا ہوں

کتنے ہی پیارے اور عظیم لوگ اس سرزمین سے ہیں لیکن اسفند میرے بابا ہی ایسے کیوں تھے انہوں نے سب ہی کچھ چھین لیا مجھ سے‘ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہنے دیا‘ سوائے ان بے شمار آہوں‘ بددعاؤں کے جو کئی سینوں سے نکلیں فضا میں پھیلیں اور مجھے تمام عمر کے لیے خوفزدہ کر گئیں۔

اسفند تم ہی بتاؤ اتنے حادثے سہہ کر بھی میں روڈ ہوں تو میرا کیا قصور ہے‘ زندگی پر کھویا اعتبار نہیں لوٹتا تو میری کیا خطا ہے‘ یار اسفند؟۔“ کہتے کہتے یکدم وہ خاموش ہو گیا تو اسفندیار جھرجھری لے کر حقیقت کی دنیا میں لوٹا ان معمولی تصاویر سے اتنے دلخراش اتنے خاص واقعات جڑے ہوں گے وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ بیدار بخت بظاہر بے مہر نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ تھی وہ اندر سے اتنا حساس تھا کہ خود کو اپنے باپ کے جرائم کا شریک کار سمجھ کر خود زندگی سے روٹھا بیٹھا تھا۔

”بخت جو گزر گیا وہ بہت جانکاہ تلخ ہے مگر تمام قصے میں مجھے تمہاری کہیں بھی کوئی غلطی نظر نہیں آتی۔ تم خود سے نفرت کرنے کے آزار سے نکلو یار‘ دوسرے لوگوں کے رویوں کے متعلق بھی اپنی ہی طرف سے اندازے مت لگا لیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے دوسرے تمہارے گمان سے بھی زیادہ تمہیں شدت سے چاہتے ہوں اچھی سوچ اپناؤ خود کو جینے کا تھوڑا سا مارجن دو سانس لینے کے لیے تازہ ہوا کے جھونکے کے لیے اک دریچہ تو رہنے دیا کرو یوں خود کو اپنی ذات کے درودیوار میں قید مت کرو باہر نکلو اس خول سے۔“

اس نے پھر سے پرانی یادوں سے رنجیدہ ہوئے بیدار بخت کو بازوؤں میں لے کر سینے سے بھینچ لیا پورے یقین‘ اعتماد‘ مان‘ چاہت سے کہ اس کی آنکھوں میں اتنی محبت سے آنسو آگئے وہ بولا۔

”مجھے یقین نہیں آتا بابا کا بیٹا ہو کر مجھے قسمت نے اتنے اچھے لوگوں کا ساتھ دیا ہے یہ میری قسمت کا اوج ہے ورنہ اسفند میں بہت حقیر بہت بے مایہ شخص ہوں۔“

”بکومت تم خود واقف نہیں کہ درحقیقت تم کتنے پیارے اور کس قدر جادوگر ہو‘ لوگوں کے دلوں کو مٹھیوں میں قید کر لیتے ہو پھر بھی خود کو بے مایہ شخص گردانتے ہو‘ پیارے پیارے کزنز رکھتے ہوئے بھی خود کو حقیر کہتے ہو سب سے بڑھ کر مینا کی چاہتوں کے باوجود اپنے آپ سے اتنے خفا ہو۔

اماں یار انسان بنو محبت تو انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے تم بھی سدھرو میں وعدہ کرتا ہوں بی بی ماں کل‘ دانی اور دائم کو پھر سے تمہاری زندگی میں لا کر رہوں گا بی بی ماں بہت عظیم بہت کشادہ دل ہیں یقیناً“ انکل کے کسی جرم کی سزا تمہیں نہیں دیں گی۔“ وہ بول رہا تھا کہ بیدار بخت نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر آہستگی سے بولا۔

”بی بی ماں کی گود میں منہ چھپا کر میں بہت رونا چاہتا ہوں پھر سے ان کی محبت پالینا میری سب سے بڑی خواہش ہے‘ مگر اسفند اس بات کو تم ابھی کسی کو مت بتانا میں خود موقع دیکھ کر بی بی ماں کے سامنے فیصلے کے لیے خود کو پیش کر دوں گا انہوں نے زمین سے اٹھا کر پھر سے دل سے لگا لیا تو میری قسمت‘ رد کر دیا تو دل ڈوبنے کا منظر بہت دلکش ہو گا تم بھی دیکھنا۔“

”پھر شروع کر دی بے وقوفوں والی گفتگو‘ ارے کپتان صاحب بی بی ماں تمہاری صورت دیکھیں گی تو مجھے یقین ہے وہ تمہارا ہاتھ جھٹک ہی نہیں سکتیں‘ اتنی شدت سے تمہیں تھام کر سینے سے لگائیں گی کہ تمہاری تشنگی ان کی محبت کے سامنے ماند پڑ جائے گی۔“

بیدار بخت نے کچھ نہ کہا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا کافی دیر یونہی گزر گئی تو اسفندیار اٹھا۔

”تمہارے ملازم کو تو چائے لانے کی توفیق نہیں ہو گی‘ اس لیے میں خود ہی بنا کر لاتا ہوں۔“ وہ دروازے تک اٹھ کر گیا مگر جمال کو پہلے سے ٹرالی لاتے پایا۔ اسفندیار ٹرالی کمرے میں لے آیا پھر چائے بنا کر اسے دی خود بھی ایک صوفے پر لے کر بیٹھ گیا بیدار بخت نے دماغ کو پہلے سے کچھ پرسکون پایا تو اشرف کے گھر ہونے والی ملاقات کے متعلق بتا دیا۔

”اوکے یہ ہوئی ناں بات تھینکس بخت ویسے مجھے یقین تھا تم ضرور میرا کام کر دو گے‘ تم میں ایک بہترین مقرر ہونے کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں۔“

”اوہوں بات یہ نہیں‘ بلکہ بات صرف یہ ہے کہ تم اتنے اچھے اور معقول انسان ہو تمہاری شخصیت کا دفاع کرنے کے لیے مجھے جھوٹی باتوں کا سہارا نہیں لینا پڑا۔“

”خیر موقع آیا تو ثابت کروں گا کہ تم میں دم ہے یا میری شخصیت میں‘ ویسے کل کے لیے تانو نے ڈنر کی دعوت دی ہے تم ساتھ ضرور چلو گے۔“

”اوکے۔“ اس نے ہامی بھر لی۔

”بی بی ماں کے اتنے قریب ہو کر دور رہنا سمندر کے قریب ہو کر پیاسا رہنے کے مترادف ہے۔ بخت آخر تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تم بی بی ماں کے کیا لگتے ہو بظاہر مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی اپنے نام نہاد خود ساختہ خوف سے نکلو انہیں بتاؤ کہ تم کون ہو۔“ بیدار بخت نے دکھ سے اسے دیکھا پھر بولا۔

”بظاہر کوئی وجہ نہیں‘ مگر اسفند بی بی ماں سے ملنے میں میری خود ساختہ سوچیں خود ساختہ خوف ہی نہیں‘ ایک اور خیال بھی ہے کہ میں تم سے زیادہ بابا کی نیچر جانتا ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ جب تک میں ان کی حفاظت کے لیے کوئی پلان نہیں بنا لیتا ان سے بابا آگاہ نہ ہوں‘ اسفند مجھ میں یہ بار بار مل کر بچھڑتے رہنے کی سکت نہیں رہی اب۔“

”اوکے‘ اوکے‘ جو بہتر سمجھو کرو‘ میرا ذہن اتنی دور تک نہیں گیا تھا اس لیے ایک دماغ میں اٹھنے والا سوال کر ڈالا تھا ورنہ مجھے تم سے کسی معاملے میں اختلاف نہیں۔“

”تھینک یو‘ تمہارا یہ اعتماد‘ یقین اور محبت میری ہمت ہے اسفند مجھے تم پر فخر ہے۔“ اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جواباً محبت سے کہا۔

——*

اسفندیار کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے سے یکدم مسرتوں کی بہار اتر آئی تھی زندگی میں‘ اس لیے وہ پوری طرح سے لطف اندوز ہو رہا تھا لی لی جان کو پانے کے لیے نئے نئے پلان بنا رہا تھا مگر زندگی پر اس کا اعتماد بڑھنے لگا تھا کہ اچانک پھر سے بابا اس کی زندگی کو تہ و بالا کرنے چلے آئے وہ جھنجلا گیا بابا کی وہی ضد تھی

کہ سب چھوڑ چھاڑ گاؤں چلو اور وہ ان کی یہ بات مسلسل رد کر رہا تھا' آج کل اسفندیار بھی گھر نہیں آ رہا تھا اس لیے بیدار بخت کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔

نانو کی فیملی کے ممبران بھی بابا کو ناپسند کرتے تھے اس لیے وہ بھی نہ آتے صرف فون پر ہیلو ہائے ہو جاتی ورنہ تو بیدار بخت پاگل ہو جاتا تنہائی سے۔

صرف ایک دائم تھا جو اس کے منع کرنے کے باوجود بھی کبھی کبھار اس سے ملنے آ جاتا وہ بظاہر تو منع کرتا مگر اندر سے دل چاہتا جب دائم آئے تو وقت کی رفتار وہیں تھم جائے' وہ لوٹ کر نہ جائے' دائم اس کی باتوں میں بے یقینی محسوس کرتا تو بہت زیادہ قریب ہو جاتا ڈھیروں باتیں کرتا' قصے' شاعری سناتا وہ آنکھیں کھولے پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے جاتا وہ اس کی محویت پر اسے ٹوکتا تو وہ آہستگی سے کہتا۔

"بولتے رہو تمہارے لہجے میں زندگی بولتی ہے میں تمہارے روپ میں لمحوں کو ہی سہی زندگی کو محسوس کر لیتا ہوں' یہ کم تو نہیں۔" اور وہ قہقہے لگا کر ہنسے جاتا۔

آج بھی ڈھیر ساری باتوں کا موڈ بنا کر ہی وہ بیدار بخت کے گھر آیا تھا مگر آج وقت موزوں نہیں تھا مگر یہ اسے کون سمجھاتا سو وہ اپنی ہی ترنگ میں سیٹی بجاتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا بابا اسے دیکھ کر چونکے تو بیدار بخت کچھ پریشان ہو گیا دائم لاابالی سا لڑکا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ دائم بابا کے سامنے کچھ کہہ دے اور بابا اسے دشواری میں ڈال دیں۔

دائم نے اس کے چہرے کی پریشانی دیکھی تو آہستگی سے بولا۔

"انکل کیا بہت غصیلے ہیں بخت بھائی' جو آپ پریشان ہیں دیکھئے میں تو آیا ہی آپ کے بابا سے دوستی کرنے ہوں' یقیناً" یہ آپ کی طرح ہی گریٹ ہوں گے۔"

بیدار بخت نے ہونٹوں پر زبان پھیری بابا نے دلچسپی سے فون رکھتے ہوئے اس کو دیکھا کچھ بولے نہیں۔ پھر جب وہ ان سے مخاطب ہوا تو بابا کا لہجہ غیر متوقع طور پر نرم تھا وہ بابا کے انداز ہی سے متاثر ہو گیا' ان کے سوالوں کے جوابات دیتا رہا' بابا نے اس کے والد کے متعلق پوچھا تو بولا۔

"وہ تو جی میری پیدائش سے کچھ مہینے پہلے ہی وفات پا گئے تھے ہم دراصل فرنٹیئر سے تعلق رکھتے ہیں ناں اس لیے پاپا کا وہاں کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا بڑے گریٹ تھے پاپا فوج میں بخت بھائی کی طرح کیپٹن تھے جی۔"

"اچھا کون سے علاقے سے تعلق ہے تمہارا' تمہارے پاپا کا نام کیا ہے؟" بیدار بخت نے اتنے اہم سوال سنے تو بے ساختہ دائم کا بازو پکڑ کر اٹھایا اسے۔

"دائم تمہیں آج کوئی کام نہیں کیا' دیکھو تمہارے ایگزامز ہونے والے تھے وہ کیا ہوئے۔"

"ہو گئے بخت بھائی آپ کو بتایا تو تھا ایگزام تو پچھلے مہینے ہی ہو گئے مگر شاید آپ کو یاد نہیں رہا' ہاں تو انکل میں آپ کو کیا بتا رہا تھا۔" وہ اسے جواب دے کر پھر بابا کی طرف متوجہ ہو گیا تو بیدار بخت کا دماغ گھوم گیا۔

"دائم تم اس وقت جاؤ بابا کو تنگ مت کرو' بہت عرصے بعد آئے ہیں' یہ مجھ سے ملنے۔" بابا نے حیرت سے دیکھا یہ بیدار بخت تھا جسے ان کے آرام کا یکدم ہی احساس ہو گیا تھا بات حیرت ناک تھی اس لیے بابا سے ضبط نہ ہو سکا جھٹ سے پتھریلے لہجے میں بولے۔

"بخت تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو تمہارے اعصاب منتشر لگتے ہیں ورنہ میرے لیے اس قدر نرم رویہ چہ معنی دارد۔"

"ارے انکل یہ کیا کہہ رہے ہیں' اپنے بخت بھائی تو بہت سوفٹ موڈ رکھتے ہیں اور آپ تو ان کے پاپا ہیں آپ سے اتنی محبت سے مخاطب نہیں ہوں گے تو پھر کس سے ہوں گے آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے ورنہ۔"

"ورنہ یہ' ورنہ وہ' دائم تم میرے ضبط کو مت آزماؤ اور ایک لمحہ لگائے بغیر چلے جاؤ یہاں سے۔"

"بخت بھائی آر یو آل رائٹ۔"

"نو آئی ایم ناٹ آل رائٹ پلیز لومی آلون۔" دائم تیزی سے اٹھا طوفان کی طرح گھر سے نکل گیا

بیدار بخت سنبھلا تو دیکھا بابا کی نگاہیں اسے ہی کھوج رہی تھیں۔

"بچہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں بول رہا تھا بخت' تم نے آخر اتنا برا رویہ کیوں اختیار کیا اس سے۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے بابا۔"

"یعنی پھر تمہارا دماغ خراب ہوا۔" بابا غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے مگر اس وقت اس کا واحد ویک پوائنٹ درمیان سے ہٹ گیا تھا اس لیے وہ ڈٹ گیا تھا بابا نے نظروں ہی نظروں میں اسے تولا پھر چلتے چلتے مڑ کے بولے۔

"میں دسمبر میں واپس جاؤں گا' یہاں جس کام سے آیا تھا وہ کام ہو گیا ہے میرا' اس لیے اپنی اس فوج کی زندگی کو ختم کر دو میں کبھی "نہ" نہیں سنتا فیصلہ کرتے وقت یہ خیال رکھنا۔" اس نے چاہا فوراً" تلخ سا جواب دے مگر بابا حکم سنا کر کب کے باہر جا چکے تھے اس لیے بیدار بخت تھک کر صوفے پر گر گیا کچھ دل و دماغ قابو میں آیا تو اس نے کافی دیر بعد دائم کو فون کیا بیل بجتی رہی مگر کسی نے ریسیو نہیں کیا تو اسے پریشانی ہونے لگی وہ نمبر ملا ملا کر ڈس کنکٹ کرتا رہا یہاں تک ساتویں بیل پر کہیں مہرباباں کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو مہرباباں اسپیکنگ۔"

"ہیلو بی بی ماں میں بخت بول رہا ہوں' پلیز دائم سے بات کرا دیں۔"

"دائم سے.....؟ مگر دائم تو گھر میں نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" حیرت اور خطرے کی گھنٹیاں ایک ساتھ بجیں۔

"وہ گھر سے ایک دوست کے ہاں جانے کا کہہ کر نکلا تھا اس لیے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی او کے خدا حافظ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہہ پاتا مہرباباں نے ریسیور رکھ دیا وہ کتنی دیر تک بے جان ریسیور کو دیکھتا رہا پھر سگریٹ سلگانے لگا بار بار اس کا ذہن بابا کی طرف جاتا مگر کچھ واضح نہیں تھا اس لیے وہ سردی کے باوجود ٹیرس پر ہی بیٹھا رہا۔

تین گھنٹے بعد دائم کو گیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تو اس نے چاہا آواز دے مگر اپنا بی ہیویئر یاد آیا تو سوچا شاید وہ اس طرح جواب نہ دے جس محبت کی اسے عادت ہے اس لیے وضاحت کرنے تک سوائے خاموشی اختیار کیے رکھنے کے کیا ہی کیا جا سکتا تھا۔

وہ سگریٹ پر سگریٹ سلگا رہا تھا جب فون کی بیل بجی ریسیور اٹھانے سے پہلے خیال ہوا شاید دائم ہو دوسری طرف مگر آواز سن تو روح پھر سے بے اطمینانی میں ڈوب گئی بابا مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسے جا رہے تھے ان کا ہنسا رک ہی نہیں رہا تھا اس لیے اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

"کیا میں آپ کو ملنے والی اس اچانک خوشی کا سبب پوچھ سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں میرے نور نظر تم ہی کو تو حق ہے میرے شب و روز جاننے کا۔" بابا کا طنزیہ لہجہ گونجا تو وہ پزل ہو گیا مگر پھر بھی ڈھٹائی سے پوچھنے لگا بابا کتنی دیر تو اس کو بہلاتے رہے پھر بولے۔

"دائم تمہارے ہاں سے بہت افسردہ باہر نکلا تھا اس لیے میں اسے اپنی کوٹھی لے گیا تھا۔"

"پھر۔" اس کی سانسیں سینے میں اٹکنے لگیں۔

"پھر یہ کہ تم عقلمند ہو جان سکتے ہو کہ اب میرے لیے کوئی راز راز نہیں رہا۔" بابا کی آواز سے لگا وہ ریسیور رکھنے والے ہیں اس لیے وہ چلایا بہت بے بسی سے۔

"بابا سنیے آپ بی بی ماں دائم سے کچھ باز پرس نہیں کریں گے میں آپ کی ہر شرط ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔" اس کی بات سن کر وہ دو ٹوک لہجے میں بولے۔

"وقت گزر گیا بخت' اب صرف وہی ہو گا جو میں چاہوں گا منوانے والی پوزیشن میں تم اس وقت تھے' جب میں تمہارے پاس پہلی یا دوسری بار آیا تھا مگر اب میں جب بھی آیا تو یاد رکھو میرا لہجہ جارحانہ ہو گا اب میں صرف منواؤں گا کہوں گا' سنوں گا کچھ نہیں۔" کھٹاک کی آواز آئی فون رکھ دیا گیا اور اسے بے چینی لگ گئی وہ بہت دیر بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھا سیدھا اسفندیار کے ہاں پہنچا اسفندیار نے گھڑی دیکھی رات کے تین بج رہے تھے۔

"اے اللہ کے بندے کبھی تو سوچ کر کوئی کام کر لیا

کر یہ سفر کرنے کا کون سا وقت ہے تجھے نیند آتی بھی ہے یا جاگتا رہتا ہے ساری رات۔"

"اسفند میں اس وقت بکواس سننے نہیں آیا تمہاری' یہ بتاؤ تم میری کوئی مدد کرو گے یا نہیں۔"

"مدد کیا مطلب کیا معاملہ ہے بھئی؟؟" وہ سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا بیدار بخت نے سب کچھ بتا دیا تو وہ بھی تشویش میں مبتلا ہو گیا پھر کافی سوچ بچار کے بعد بولا۔

"ہم جہاں رہتے ہیں انکل کی نام نہاد اسٹیٹ نہیں ہے شہر ہے پھر مہر ماباں بھی اب پہلے کی طرح کمزور نہیں با اختیار خاتون ہیں رہی سہی کسر تم پوری کر سکتے ہو میرا مطلب ہے ان کا دفاع کر سکتے ہو' اس لیے انکل قطعاً "من مانی" نہیں کر سکتے ان کے لیے اس شہر میں اپنی مرضی چلانا آسان نہیں ہوگا یہاں سانس لینے پر اس قدر پابندیاں ہیں' پڑوس کا حال پوچھنے پر انویسٹی گیشن ہو جاتی ہے تو انکل کیسے ضابطے سے ہٹ کر کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔" بیدار بخت نے بے قراری سے اسے دیکھا' پھر کہا۔

"تم بابا کی نیچر نہیں جانتے' اس لیے یہ اندازہ لگا رہے ہو بابا بہت خطرناک ہیں اسفند وہ صرف کر گزرتے ہیں انجام کبھی نہیں سوچتے اور ہر دفعہ بچ نکلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا ہونے کے ناتے تم واقعی انہیں بہت قریب سے جانتے ہو گے' مگر یار یہ بھی تو سوچو جب تک کوئی جرم نہ کرے تب تک اسے کس قانون کے تحت روکا جا سکتا ہے سو تم اور میں ان پر مکمل نظر رکھتے ہیں جہاں انہوں نے بی بی ماں یا ان کے بچوں کے ساتھ کچھ زیادتی کی' وہیں نمٹ لیں گے۔" بیدار بخت نے خاموشی سے سنا کہا کچھ نہیں اور اٹھ گیا۔

اسفند کو لگا اس دن کے بعد سے وہ ایک بار پھر زندگی سے دور ہو گیا ہو کسی کام میں دلچسپی ہی نہیں لیتا تھا کچھ پراسرار سی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس کی' کسی بات کا ٹھیک جواب نہ دیتا جو پوچھتا واضح نہ کرتا ادھر ادھر کے قصے لے بیٹھتا اسفندیار نے کچھ دنوں تو برداشت کیا مگر ایک دن اس سے الجھ پڑا۔

"یہ کیا ہے بخت میری شادی پہلی اور آخری ہی دفعہ ہو رہی ہے ناں' لیکن تم کوئی دلچسپی نہیں لے رہے۔" بیدار بخت نے کتاب سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"دلچسپی سے تمہاری مراد کیا ہے' کیا میں بھی عابدہ ناہید یا مینا نیناں کی طرح ڈھولک پر تمہارے لیے گیت گاؤں' اگر تمہاری مراد یہی ہے تو کیپٹن اسفندیار آپ کو پتا ہونا چاہیے میں ایک سوبر شخص ہوں۔"

"جانتا ہوں' آپ کی سوبرنیس مگر پلیز بخت شادی کو انجوائے تو کرو مجھے محسوس تو ہو کہ میرا بھی کوئی ہے۔"

"ارے واہ' کیا اتنے ڈھیر سارے لوگ کم ہیں اپنا آپ منوانے کے لیے' دن رات سب لگے ہوئے تو ہیں ایک میرے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیوں نہیں ہوتا' ایک تمہارے ہونے ہی سے تو زندگی میں دلکشی ہے تم نہ ہو تو اس اجاڑ ویران دنیا میں رکھا ہی کیا ہے۔" وہ اٹھ کر بالکل اس کے قریب چلا آیا تو بیدار بخت کی آنکھوں میں خیرہ کن چمک سی کوندی اسفندیار اس چمک کے معنی سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر بولا۔

"میرے لیے بہت ہے کہ کوئی تو ہے جو بیدار بخت کو بھی یاد کرے گا اسے جو خود کو بھی نہیں یاد رہتا اسفند تمہارے وہ آنسو جو میرے بعد تمہاری پلکوں سے گریں گے' تمہیں پتا ہے وہی میرا کل سرمایہ ہوں گے میں جو تمام عمر تشنہ رہا تو تمہاری محبت نے مجھے سیراب کر دیا ہے' مجھے یاد کرتے رہنا یونہی خوشیوں میں بھی اور ـــــــ" اس کی طرف سے اس نے پشت کر لی تو اسفندیار کی جان جو سینے میں اٹک گئی تھی اس لہجے پر اس نے اس کے کاندھوں سے اسے تھام کر موڑا پھر بولا۔

"بخت تم ٹھیک تو' ہو یہ آج اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کرنے لگے ہو یہ سب کچھ تو تم نے پہلے بھی کہا تھا مگر اس میں ایک تشکیک ہوتی تھی گمان کا پہلو نکلتا تھا مگر آج تو یوں لگتا ہے جیسے تم کچھ ٹھان بیٹھے ہو' آخر کیا سوچ رکھا ہے تم نے۔" بیدار بخت نے جواب دینے کی بجائے سگریٹ سلگا لیا پھر لمبا گہرا کش کھینچ کر

بولا۔

"یقین گمان یہ دو جذبے دو تفکر کے انداز ہیں اسفند' اچھا یہ ہی بتاؤ کیا یہ خواہش کوئی غلط ہے کہ اگر میں چاہوں کہ تم مجھے میرے بعد یاد کرو۔"

"آخر تمہاری باتوں میں یہ جینے مرنے کا تذکرہ اتنا کیوں آنے لگا ہے ابھی ماشاء اللہ تم جوان ہو' صحت مند ہو' پھر سب سے بڑھ کر کسی کی چاہتوں کا مرکز ہو پھر کیوں اچھے زمانے اچھے دنوں کے خواب نہیں بنتے خوشیوں' تمناؤں سے معبد دل نہیں سجاتے۔"

"شاید اس لیے کہ معبد دل ویران ہے' کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس نہ لفظ ہیں نہ خوش گمانی کا سہارا بس محبتوں کے چند تعلق ہیں جنہیں میں چاہتا ہوں کہ محفوظ رہیں اور اسفند تم جانتے ہو اگر کوئی کسی کو چاہتا ہے تو اس پر اپنی یہ فانی زندگی وار دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔"

بخت نے پھر خاموشی اختیار کر لی کچھ نہ بولا وہ پراسرار سرگرمیاں یونہی جاری رہیں یہاں تک کہ تیئس دسمبر آ گئی۔

وہ اپنی شادی کی کچھ باتیں اس سے فائنل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے سیدھا اس کے کمرے میں چلا آیا وہ مرر ٹیبل کے گرد زمین پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا بے شمار کارڈ بکھرے پڑے تھے اسے آتا دیکھا تو جلدی سے سارے کارڈ چھپا لیے اسے اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"کیوں بھئی یہ کیا آج تو تیئس دسمبر ہے اور جناب ابھی نیو ایئر کارڈ لکھنے بیٹھ گئے ویسے کسی کا کارڈ دکھاؤ نہ دکھاؤ میرا اور مینا کا تو دکھاؤ آخر ہمیں پتا تو چلے حضرت نثر میں کتنے پانی میں ہیں۔" بیدار بخت نے نفی میں سر ہلایا کارڈ اٹھا کر تیزی سے الماری میں رکھ کر لاک کر دیے پھر بولا۔

"جس دن کے لیے یہ کارڈ ہیں' اس دن ہی دیکھنا اور مینا نے اجازت دی تو اس کا کارڈ بھی پڑھ لینا لیکن ابھی نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے' لیکن یہ تو بتاؤ بابا کے کیا حال ہیں۔"

"بابا ہمیشہ اپنے آپ کو شطرنج کا ماہر کھلاڑی سمجھتے رہے مگر آج کل میں نے کچھ ایسی بساط بچھائی ہے ان کے گرد کہ وہ جو بھی مہرہ چلائیں گے مات ان کا مقدر ہے' اس نے توقف کیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے تھے اسفند ڈوائنڈ ڈائے از ویری گڈ تھنکنگ' جب سے میں نے یہ خود پر لاگو کی ہے' بہت مطمئن ہوں۔"

"مگر بتاؤ گے نہیں کہ کیا کرنے کی ٹھانے بیٹھے ہو۔"

"یقیناً" ارے بھئی اسفند تم تو شادی سے پہلے ہی بہت عقلمند ہو گئے ہو' یقیناً" عالیہ سے تعلق تمہیں راس آ گیا' ہاں بھئی صحبت کا کچھ تو اثر ہو گا ہی' ورنہ آپ سے تو ذہانت کی امید رکھنا حماقت تھی۔"

"بخت کے بچے تم چند دنوں سے مجھے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرنے لگے ہو جانتے ہو میں تمہاری وجہ سے آج کل کس قدر پریشان ہوں تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر میں اپنی شادی کی خوشی تک بھول گیا ہوں۔" وہ جھنجھلا کر اس پر گرم ہو گیا تو اس نے اس کا کاندھا تھپتھپایا پھر بولا۔

"دھیرج تمیرے یار دھیرج' آج کل میں جذبوں کے جس پل صراط سے گزر رہا ہوں وہاں اتنے تلخ لہجے اتنے غصے کا جواب دینا ممکن نہیں میں بھربھری دیوار کی طرح ہوں اسفند ٹھیس مت لگاؤ کہ ایک جھٹکے ہی میں گر جاؤں۔"

"تو تم نہیں بتاؤ گے' کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔" بیدار بخت نے کچھ کہے بنا نگاہ اس کے چہرے سے ہٹالی تو اسفندیار اٹھ گیا۔

پچیس دسمبر کو اس کی شادی کی تقریب انجام پا گئی مہر ماباں دانیال اس کے انویٹیشن کے باوجود نہ آئے تھے اس لیے اسفندیار کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو رہا تھا بیدار بخت بھی شادی میں بس برائے نام ہی شامل تھا برائے نام اس لیے کہ وہ کوئی بھی بات کرتا تو وہ صرف ہوں ہاں سے کام چلاتا اکثر اوقات غائب دماغی کا شکار رہا اس لیے نکاح کے بعد گلے ملتے اس نے شکایتاً

کہا۔

"اس طرح آنے سے بہتر تھا تم شامل ہی نہ ہوتے میں تمہاری غیر موجودگی پر دل کو کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیتا مگر اس وقت جس قدر کوفت مجھے ہوئی ہے تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔" بیدار بخت نے اس کی تمام بکواس سن کر اس کی پیشانی چوم کر خوشیوں کے ابدی ہونے کی دعا دی تو اسفندیار سے کچھ نہ بولا گیا وہ پزل ہو گیا تھا اس قدر شدید محبت پر بس ایک خاموش مہر محبت نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا تھا وہ سوری کرنا چاہتا ہی تھا کہ وہ گیٹ سے باہر نکل گیا۔

--*

"خیریت تم کب آئے؟" وہ دو دو چار سیڑھیاں اترتا نیچے آیا اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا بیدار بخت صرف اسے دیکھ رہا تھا کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"پلیز بولو بخت کیا ہوا تم اتنا چپ کیوں ہو؟" بیدار بخت نے اپنی آنکھیں اس پر گاڑ دیں پھر بولا تو اسفندیار کو سینے میں دل دہلتا محسوس ہوا وہ پوچھ رہا تھا۔

"اگر کسی برائی کو ختم کرنے کے لیے زندگی داؤ پر لگا دی جائے اسفند تو یہ خودکشی ہوگی یا شہادت۔"

"ہیں کیا مطلب، میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ پایا پلیز، بخت وضاحت کرو۔"

اس نے سنا تو بالکل اس کے قریب آ گیا اتنا کہ وہ اس کے کپڑوں سے اٹھنے والی خوشبو با آسانی محسوس کر رہا تھا، وہ پہلے والے سوالیہ لہجے میں مخاطب تھا۔

"میرا مطلب یوں لو، اسفند اگر کوئی مجاہد اپنی سرزمین کو کسی کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کے لیے خود مر جائے تو وہ خودکشی کہلائے گی یا شہادت۔"

"میں تمہاری بات اب بھی ٹھیک طور سے نہیں سمجھ سکا، لیکن جو تم نے بتایا اس سے تو ثابت ہوتا ہے شہادت ہی ملے گی کیوں کہ اسلام کے لیے استعماری قوتوں سے ٹکرانا ظالم کے ظلم کے سامنے کلمہ حق کہتے مر جانا شہادت ہی ہے۔" بیدار بخت کو لگا جیسے کوئی بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا وہ تیزی سے اٹھ گیا۔

"میں چلتا ہوں، آج میں نے بی بی ماں سے بھی ملنا ہے دائم بہت دنوں سے مجھ سے ناراض ہے اسے بھی منانا ہے۔"

"صرف یہی سب نہیں بلکہ نانو کے ہاں بھی چلے جانا وہ سب بھی تمہارے منتظر رہتے ہیں تم نے تو سنا نہیں تھا مگر وہ کل بھی بہت شکایت کر رہے تھے۔"

بیدار بخت نے تائیدی نظروں سے ملنے کا عندیہ دیتے اثبات میں سر ہلاتے قدم واپسی کے راستوں کی طرف بڑھا دیئے یہ جانے بغیر کہ زندگی تو دنیا سے ہولی ہے آئے ہوئے قدم واپس نہیں پلٹے جا سکتے گزرے ہوئے وقت کی طرح مگر آج اس نے دل میں ٹھان لی تھی گزر جانے والے وقت کو واپس بلا لینے کی سو اسفندیار کے ہاں سے وہ سیدھا مہرباباں کے ہاں پہنچا۔

اتنی صبح وہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں مگر وہ مطمئن سا ان کے کہنے پر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا پھر بات شروع کرنے کے لیے بولا۔

"کل آپ اسفند کی شادی میں نہیں آئی تھیں اس نے بہت مس کیا آپ کو، بلکہ مجھے اس سے زیادہ مس آپ کو میں نے کیا تھا۔"

"جی میں بھی نہیں مسٹر بخت آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، یقین کریں اگر آپ کسی ضروری بات کا حوالہ نہ دیتے تو شاید میں آپ کی مہمان نوازی بھی نہ کرتی۔" انہوں نے چائے لانے والے ملازم کو دیکھ کر کہا، ملازم نے چائے بنا کر دونوں کے حوالے کی بیدار بخت نے چاروں اطراف دیکھ کر سرسری پوچھا۔

"گھر میں بہت خاموشی ہے دائم، دانی، گل رو کیوں دکھائی نہیں دے رہے۔"

"وہ دراصل کل اپنی نانی ماں کے گھر گئے تھے، آج شام تک آ جائیں گے اور کچھ۔"

"صرف اور کچھ ۔۔۔ آج تو بہت کچھ کہنا ہے بی بی ماں ۔۔۔" وہ یکدم صوفے سے اٹھ کر ان کے قدموں میں آ بیٹھا وہ سہم گئیں اس کی آنکھوں میں وارفتگی ہی اتنی تھی پھر اس سے پہلے کہ وہ گلا کھنکار کر کچھ کہتیں اس نے بے دھڑک ان کا ہاتھ تھام لیا پھر سر بھی ان کے گھٹنے سے ٹکا دیا اور بولا۔

"میں اتنی ہمت زندگی میں کبھی نہ کرتا اگر آج مجھے

کچھ بہت ضروری کام نمٹانے نہ ہوتے اسفند کہتا ہے آپ بہت کشادہ دل کشادہ ذہن ہیں، اس لیے میں نے سوچا جاتے جاتے آپ کی گود میں سر رکھ کر کچھ دیر تو آپ کی ممتا کو محسوس کر لوں پھر جانے مجھے آپ کا لمس محسوس کرنے کی مہلت ملے بھی یا نہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں مسٹر بیدار بخت۔"

"پلیز بی بی ماں، آج تو اتنی تلخ مت ہوں، دیکھئے اگر آپ آج بھی خفا رہیں تو اس زندگی کی طرح وہ زندگی بھی میری بہت بے چین بے کل گزرے گی۔"

ان کے ہاتھ کی پشت پر عقیدت سے بوسہ لے کر اس نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا تو مہرباباں جو اس حرکت پر چراغ پا ہونے والی تھیں سب ہی ساکت رہ گئیں کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں، سوگ، روگ جوگ سب ہی دکھ تو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان سے کچھ کہا ہی نہیں گیا اور وہ اپنے جرم، بابا کے جرم گنواتا گیا۔ بی بی ماں کا چہرہ اس کے انکشاف پر سفید پڑ گیا تو وہ ان کا اپنا بخت تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں انہیں اپنا رویہ یاد آ رہا تھا وہ کیسے کیسے ان کی طرف بڑھا تھا اور وہ کیسے سر جھٹک کر اس سے منہ پھیرتی چلی گئی تھیں مگر آج انکشافات ہو رہے تھے تو وہ کتنا دریدہ دامن و دل تھا ان کے پاس تو اولاد کی محبت خوشی چہکاریں تھیں مگر وہ کیسے تنہا جیتا آیا تھا لالہ کا جو سہارا تھا وہ بھی چھین لیا گیا تھا مگر وہ پھر بھی استقامت سے زندہ تھا نہ پاگل ہوا تھا نہ صدمے سے مر گیا تھا وہ تو ان سے بھی بہت زیادہ باحوصلہ تھا۔

وہ سوچے گئیں اس کے اس خیال پر تڑپتی رہیں کہ وہ محض اس خوف سے ان سے نہ ملا کہ کہیں وہ اسے ٹھکرا نہ دیں وہ اسے بتانا چاہتی تھیں کہ وہ وہاں سے آ کر بھی نہ آ پائی تھیں ان کی جان اور روح تو بیدار بخت اور لالہ کی صورت وہیں اٹک گئی تھی یا یہ کہ وہ اتنے برس سے اس کی آمد کی کب سے منتظر تھیں مگر آج وہ اتنا غیر متوقع آ گیا تھا تو دل تھا کہ سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔

"بخت میرے بچے، میرے عظمی کی امانت، میں تجھے کیسے بتاؤں کہ میں نے ایک لمحے کو بھی تجھے نہیں بھلایا زندگی میں ہمیشہ تیری کمی محسوس کی ہے بلیومی بیٹا۔" انہوں نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا تو وہ چھ فٹ کا بندہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح روئے چلا گیا پھر بی بی ماں نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا وہاں سے نکل کر انہوں نے سخت زندگی گزاری بابا کا خوف ہر وقت ان پر سوار رہتا۔

باتوں کے دوران بی بی ماں نے اس سے بابا کے متعلق پوچھ لیا اس نے چونک کر بی بی ماں کو دیکھا ان کی محبت میں تو وہ واقعی اتنا اہم کام بھول گیا تھا۔ زندگی ٹھکراتے ٹھکراتے جیسے پھر زندگی سے پیار ہونے لگا تھا اسے۔ اس لیے اس نے آہستگی سے خود کو ان کے حصار سے نکالا آنکھیں صاف کیں پھر بولا۔

"بابا دراصل آپ کو مجھ سے پھر چھین لینا چاہتے ہیں لیکن آج بابا کی جیت کسی بھی طرح نہ ہوگی۔" مہرباباں نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا مگر وہ مزید کچھ کہے بغیر پھر آنے کا کہہ کر ان کے بنگلے سے نکل گیا۔

اس کی شیراڈ فراٹے بھر رہی تھی۔ ٹریفک معمول کے مطابق تھا اس لیے اسے بابا تک پہنچتے پہنچتے ساڑھے گیارہ بج گئے پھر وہ ان کی کوٹھی میں داخل ہوا تو بابا اسے غیر متوقع اپنے سامنے پا کر حیرت زدہ رہ گئے بابا اور وہ ڈرائنگ روم میں تنہا تھے جب اس نے بابا کو بتایا۔

"زندگی پہلے کی طرح سے بے بس کمزور نہیں رہی۔" بابا ہنس پڑے تو اس نے سرخ فائل ان کے سامنے لہرا دی پھر بولا۔

"یہ فائل آپ کے تمام ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کی گواہ ہے بابا، اس لیے میں چاہتا ہوں آج آپ ایک سودا کر لیں مجھ سے۔"

"کیا مطلب کیسا سودا؟" بابا کا لہجہ تیز ہو گیا تو وہ اطمینان سے مسکرایا۔

"بابا یہ فائل آپ کو مل سکتی ہے، اگر آپ بی بی ماں کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جائیں بھول جائیں کہ ان کا بھی آپ کے خاندان سے کوئی تعلق ہے۔"

"یہ ناممکن ہے وہ ہمارے گھر کی آبرو ہے، اسے ہر

صورت ہم واپس لے کر جائیں گے دانیال ہمارا پوتا ہے' اس لیے پورا حق ہے اس پر ہمارا' اور ہم کبھی حق' قرض اور انتقام چھوڑا نہیں کرتے تم جانتے ہو۔"

"جانتا تھا اس لیے ہی آپ کو ایک چانس دے رہا تھا دیکھیے اگر آپ یوں نہ مانے تو یہ فائل قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگی۔"

"بکو مت کیا ہو سکتا ہے اس فائل میں' آخر تم جانتے ہی کیا ہو۔"

"پہلے مجھے بھی یہی خواہش تھی میں آپ کے بارے میں کچھ نہ جانوں' مگر بابا آپ جانتے ہیں ناں محبت انسان سے سب کچھ کروا دیتی ہے تو بس مجھے اتنے دن خاموشی سے میں یہی ہوم ورک کر رہا تھا اس میں آپ کے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی فہرست اور اپنی ذاتی تسکین کے لیے ملک کو پہنچائے جانے والے نقصان کا حساب کتاب بھی درج ہے' اور یہ بات بھی آپ کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آپ کے دونوں خاص معتمد اب میری مٹھی میں ہیں' سمندر خان اور ارباز خان اب آپ کے نمک خوار نہیں رہے' آپ کی طرح میں نے ان کی سماعتیں بصارتیں اور قوت گویائی دولت کے بل پر نہیں خریدی بلکہ وہ خود آپ کے اس ظلم و جبر سے تنگ آچکے ہیں۔"

"کیا بکتا ہے' سمندر خان۔" وہ چلائے تو وہ غصہ دلانے والے انداز میں ہنسا۔

"اطمینان رکھیے' وہ اس وقت تک یہاں نہیں آئیں گے جب تک میں انہیں نہ پکاروں اس لیے بابا آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ مجھ سے یہ سودا کرلیں' اور اس کا یقین رکھیں کہ مجھے آپ کے وعدے پر یقین ہے مرد اپنے وعدے سے ہی تو نہیں پھرتا۔"

"تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے بخت' تم میرے بیٹے ہو اس لیے تم نے یہ کیسے جان لیا کہ باپ کے مقابلے میں بیٹا میدان مار لے گا۔"

"میں شام تک گھر میں ہی ہوں بابا' اس لیے سودا منظور ہو تو فون کر دیجیے گا میرا ملازم یہ فائل آپ کو دے جائے گا۔" اس نے ان کی بات نظر انداز کرکے چلنے کے لیے دو تین قدم اٹھائے ہی تھے کہ بابا نے شال کے نیچے سے ریوالور نکال لیا۔

"تم یہ فائل یہیں رکھ کر جاؤ گے یہ میرا حکم ہے۔"

"مگر ضروری تو نہیں کہ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق بھی ہو میں جا رہا ہوں' دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔" اس نے بابا کو پیچ و تاب کھاتے دیکھا پھر اگلا قدم اٹھایا بھی نہیں تھا کہ بابا کے ریوالور نے شعلہ اگل دیا گولی بازو میں لگی تھی اس کا جسم پورا لڑکھڑا گیا' کوٹھی میں بھاگتے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی مگر کوئی اندر نہ آسکا دروازہ تو خود بیدار بخت نے ہی بند کیا تھا۔

بابا اس کے بازو سے رستے خون کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے بت بن گئے یہ ان کے ذاتی اثاثے کی آخری نشانی تھی اور انہوں نے آج یہ تعلق بھی توڑنے کی کوشش کر ڈالی تھی بیدار بخت دھڑام سے صوفے پر گر گیا تھا اس کے ہاتھ میں پکڑی سرخ فائل سے سادہ کاغذ ادھر ادھر بکھر گئے تھے' اور وہ قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا' اتنی تکلیف میں بھی بابا اس کے اس حوصلے پر حیران تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"یہی گیم تھا میرا بابا' آپ تو کام ہی اتنی صفائی سے کرتے ہیں کہ کبھی نہیں پکڑے جاتے پھر میں کیسے ثبوت حاصل کرتا آپ کے خلاف' میں جو ہمیشہ آپ کی اسٹیٹ سے دور رہا یہی ایک داؤ تھا جو میں کھیل گیا کیونکہ میں یہ بازی جیتنا چاہتا تھا آج آپ کا تجربہ' عمر میرے سامنے ہار گئی بابا آج آپ کو مات ہوگئی' ابھی ذرا سی دیر میں پولیس اس کوٹھی کو گھیر لے گی پھر بابا آپ نے ایک ملٹری آفیسر پر بھی تو گولی چلائی ہے پولیس نے چھوڑ دیا تب بھی آرمی آپ کو نہیں چھوڑے گی۔

سب فائلیں کھل جائیں گی نہیں بھی کھلیں تو میرے قتل میں آپ کو اتنی سزا تو مل ہی جائے گی کہ بی بی ماں دائی گل رو' دائم اور آپ کے گاؤں کے بے شمار لوگ سب آپ کے ظلم سے بچ جائیں گے کیوں بابا یہ چال کیسی رہی۔" اس نے پھر سے طنزیہ مسکرانے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

باہر سے تمام ملازمین دروازہ توڑ رہے تھے دروازے کے قبضے ہل چکے تھے پھر چند منٹ بعد دروازہ بھی ٹوٹ گیا۔ سمندر خان بیدار بخت کو صوفے پر اس طرح خون میں لت پت دیکھ کر دہل گیا۔ اسے دیکھے بنا فون کی طرف دوڑا۔

چند دنوں ہی میں اسے اپنے اس چھوٹے خان سے بہت محبت ہوگئی تھی جو چپکے چپکے بڑے خان کی غیر موجودگی میں ان کے لیے محبتوں کا پیامبر بن کر آتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے ذہن میں بس ایک بات جم گئی تھی کہ بیدار بخت جیسے لوگ مرا نہیں کرتے اس نے ایمبولینس کو کال کر دیا تھا بابا ابھی تک بے حس و حرکت بیٹے کے بے جان جسم کو تک رہے تھے آج کتنے مختلف راستے اور حربے سے ان کے اپنے بیٹے نے انہیں لوٹ لیا تھا وہ جو کبھی نہیں ہارے تھے آج ہار گئے تھے کتنے آرام سے۔

ذرا سی دیر میں پولیس اور آرمی کے چیدہ چیدہ افراد آگئے ان میں ہی اسفندیار کو جاننے والے بھی تھے اس لیے ایک آفیسر نے اس کے گھر بھی فون کر دیا اسفندیار آندھی طوفان کی طرح جائے وقوع پر جس وقت پہنچا اس وقت ڈاکٹر بیدار بخت کو آکسیجن دے کر اسٹریچر کے ذریعے ایمبولینس کی طرف لے جا رہے تھے اس نے گھبرا کر گیٹ کی طرف دیکھا تو بابا کو قانون نافذ کرنے والے افراد کے نرغے میں پایا ابتدائی بیان لیے جا رہے تھے اور سمندر خان بڑے عزم سے کہہ رہا تھا۔

"ہمیں اس بات کا خوف نہیں کہ ہم خان کے جرموں میں ان کے ساتھی ہیں' اب خان سے الگ ہوگئے ہیں ہم ان کے تمام جرموں سے آپ کو آگاہ کریں گے آپ ہمارا بیان تفصیل سے لے لیں۔"

وہ تو بس سکتے میں تھے ایک چھ فٹ کے نوجوان نے انہیں شکست دے دی' وجاہت اللہ آفریدی کو' جس نے ہمیشہ فتح کو اپنا نصیب سمجھا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا انکل۔" اسفندیار نے بابا کو جیپ میں بیٹھے دیکھ کر کہا تو بابا نے اپنی آنکھیں لمحہ بھر کو اس کی طرف مرکوز کیں پھر غیر مرئی نقطہ کو تلاشنے لگے جیپ آگے بڑھ گئی۔

وہ اسپتال پہنچا اور وہیں سے اس نے سب کے نمبر گھما دیئے آدھے گھنٹے میں بیدار بخت کی فیملی ہاسپٹل میں موجود تھی مہرتاباں نے جب سے سنا تھا بس روئے جا رہی تھیں' دانیال کو فون کرکے جلد آنے کا کہہ دیا وہ سب اس کی زندگی کے لیے دعاگو تھے۔

آہستہ آہستہ وقت بیت گیا دانیال' دائم' گل رو بھی اس گزرتے وقت میں آچکے تھے اس لیے انتظار کرنے والوں کی ایک لمبی قطار تھی سب اللہ سے اس کی صحت کی دعا مانگ رہے تھے۔

بیدار بخت کا آپریشن کرنے والے ڈاکٹرز کی ٹیم ویٹنگ روم میں آئی نانو نے تفصیل پوچھی ایک ڈاکٹر نے اتنا ہی کہا۔

"بس دعا کریں کرنل صاحب' ہم جو کرسکتے تھے ہم نے کیا زندگی دینا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

اسے آپریشن تھیٹر سے آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا تھا فی الحال دانیال نانو' نانی ماں' بی بی ماں اس سے مل سکے تھے۔ صبح اسے ہوش آگیا مگر ڈاکٹرز نے اسے انجکشن دے کر پھر سلا دیا اس وقت اس کے اعصاب جتنے پرسکون رہتے اتنا ہی بہتر تھا یوں چار دن مزید گزر گئے اب سب اس سے مل تو سکتے تھے مگر اس سے بات کرنے پر پابندی تھی۔

آج اکتیس دسمبر کی شام تھی۔ بیدار بخت جب سو کر اٹھا تو کمرے میں کوئی نہیں تھا مگر سارا کمرا پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔

تمام پھولوں پر نئے سال کی مبارک باد زندگی کی طرف لوٹنے پر نیک تمناؤں کے کارڈ رکھے تھے وہ ان پیغامات سے زندگی کشید کر ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔ نانو' نانی ماں مہرتاباں' دانیال' دائم' گل رو اور سب سے آخر میں اسفندیار عالیہ کے ساتھ داخل ہوا۔

اور بڑا سا بوکے دے کر اسے صحت یاب ہونے کی مبارک باد دی' بخت نے ہنستے ہوئے نیو ایئر کارڈ پڑھ کر سنانے کو کہا تو وہ شوخی سے بولا۔

"یہ نظم گرچہ دائم کی ہے مگر لکھی میں نے ہے مگر حقیقت میں یہ کسی اور کے جذبات کی عکاسی کر رہی

ہے۔"

"تم کبھی انسان نہیں بنوگے سنا بھی دو اب۔" وہ مدھم لہجے میں بولا تو وہ تانو کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گیا پھر بولا۔

تو ہے جیون
جس سے میں جی رہا ہوں
تو ہے دھڑکن
جس سے میں دھڑک رہا ہوں
شفق کے ساتوں رنگ
تیرے نام کے عکس
محبت کی ہر دعا
زندگی کا لمس
مری اقلیمِ جاں کُل
صرف تو

سب نے واہ واہ کی پشمینہ کی نظریں اس پر جا ٹھہریں تو اسفندیار قریب ہو کر بولا۔

"بے ایمان! اسپیلائز ہو کر جس طرح تم نے میری نیو ایئر پارٹی کا ستیاناس کیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں مگر سنو یہ سب نقصان تم نے بھرنا ہے اس لیے جلدی سے صحت مند ہو جاؤ۔"

بیدار بخت نے اثبات میں سر ہلا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں بابا کے متعلق پوچھا تو تانو بولے۔

"تمہارے معاملے میں وہ انڈر انویسٹی گیشن ہیں پھر ان کے خاص معتمد بھی ان کے خلاف ہو گئے ہیں' اس لیے ان کے تمام پرانے کیسز پھر کھل گئے ہیں' وجاہت اللہ اس حادثے کے بعد سے ابھی تک اپنے حق میں کچھ نہیں بولے' پتا نہیں وہ سکتے میں ہیں یا یہ بھی ان کی کوئی چال ہے لیکن اب وہ بچ نہیں سکیں گے۔ اچھا ہی ہے اب اس ظلم کی کمر ہو جانی چاہیے۔ اب ہم عظمت اللہ کی طرح کسی اور کو کھونے کے حق میں نہیں ہیں مینا' گل دو یہ بچیاں ہماری آئندہ کی تاریخ ہیں تم ان کی طاقت ہو ایک دوسرے کے بغیر نہ تنہا عورت کچھ ہے نہ مرد اس لیے بخت میں چاہتا ہوں تم ٹھیک ہو جاؤ جلدی سے گاؤں کے حبس زدہ ماحول میں زندگی سے بھرپور پیغام پہنچاؤ' نئے دیئے روشن کرو ان فرسودہ رسموں کو توڑنے کا اس برس عہد کرو۔" بیدار بخت نے تائید کی تانو اور وہ سب باہر نکلنے والے ہی تھے کہ اس نے شہریار کو اشارہ کیا اس نے تکیے کے نیچے سے کارڈ نکالے سب کو نام پڑھ پڑھ کر دیئے اسفندیار نے کارڈ وہیں کھول لیا۔

"کیا بات ہے بھئی؟" اس نے پڑھ کر ہنس کر کہا۔ پشمینہ نے بھی کارڈ کھولا وہی نظم درج تھی جو اسفندیار نے با آواز بلند پڑھی تھی اس لیے پشمینہ کو پتا چلا کہ یہ نظم تو وہی ہے اس نے گھور کر دیکھا تو ہنس پڑا۔

"تم اور اسفند میری زندگی کا وہی نام ہو' جس سے جیون بندھا ہے اس لیے کیا غلط لکھا میں نے۔" باقی سب جا چکے تھے اسفندیار دروازے سے تقریباً" نکل گیا تھا جب اچانک اس نے پشمینہ کی کلائی تھام لی پھر مخمور لہجے میں بولا۔

"نئے برس میں تمہارا ساتھ میری زندگی کی قیمتی سوغات ہوگی مینا۔" پشمینہ نے ہنس کر اسے دیکھا پھر بولی۔

"مجھے کب انکار ہے آپ کا ساتھ میری بھی خوش قسمتی ہے۔"

"کیا واقعی۔" اس نے اسے آنکھوں کے حصار میں لیا پھول کی تمام تر شدتوں سے کہا۔

"ہیپی نیو ایئر مینا۔"

"سیم ٹو بخت۔" وہ ہنس کر باہر چلی گئی تو گلاب کی مہک اس کے اطراف میں پھیلتی چلی گئی اس نے اطمینان سے آنکھیں موند لیں۔

زندگی یہی تو تھی جذبوں میں چھپی ہوئی دھڑکتی ہوئی اور نئے برس کی پہلی کرن یہی دعا دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ دعاؤں محبتوں کو سینے سے معمور کیے مستقبل کے حسین سپنے بننے لگا پوری سچائی اور خوش امیدی سے۔